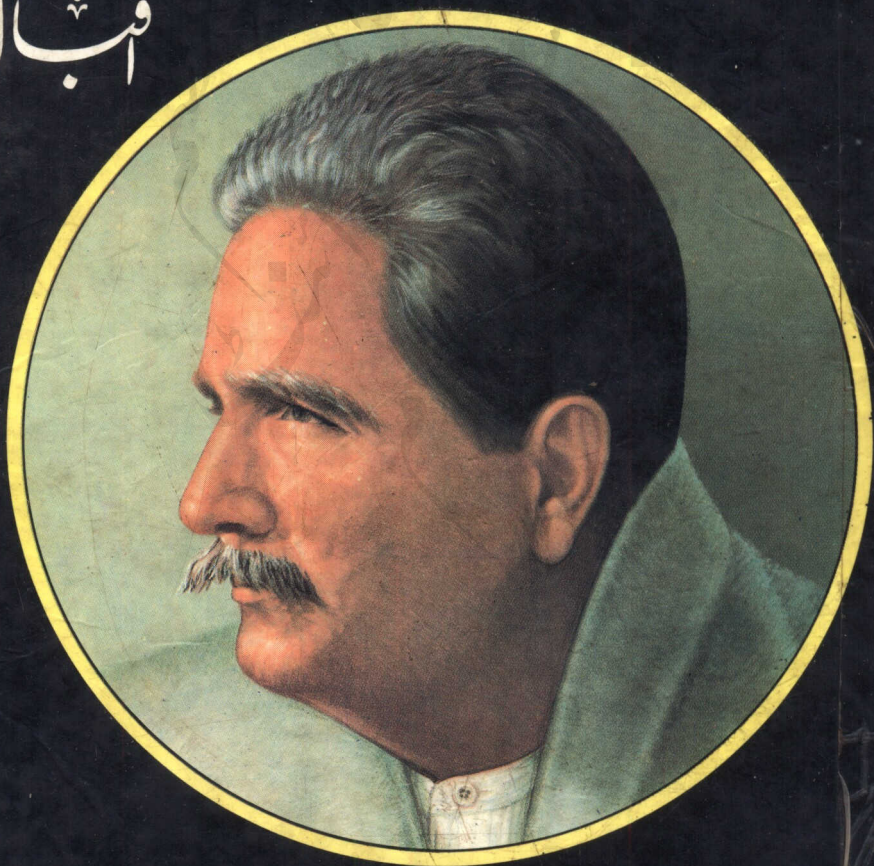


بالِ حمیل

قبائل



فہرست منظومات باعتبار حرف جی

۱۳۲۶ تا ۱۳۲۷	رباعیات:	۱۳۱	آزادی افکار
۱۰۹	روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے	۱۳۶	بلیس کی عرضداشت
۱۰۷	زمانہ	۱۳۱	ابوالعلا معری
۱۰۱	ساقی نامہ	۱۲۱	اذان
۱۳۲	ستارے کا پیغام	۹۷	الارض للہ
۱۲۷	سوال	۹۸	ایک نوجوان کے نام
۱۳۳	سیاست	۱۳۹	باغی مرید
۱۳۲	سینما	۱۳۷	پرداز
۱۳۸	شاہین	۹۴	پروانہ اور جگنو
۱۳۸	شیخ مکتب سے	۱۳۳	چہناب کے پیرزادوں سے
۱۳۲	شیر اور خچر	۱۲۷	اب کے دہقان سے
۱۳۲	طارق کی دعا (اندلس کے میدان جنگ میں)	۱۱۰	نیر و مرید
		۱۳۰	ناتاری کا خواب
		۹۴ / ۱۳۳	جاوید کے نام
		۱۱۹	جبریل والییس
۸۲	عبد الرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا درخت	۱۳۵	جدائی
۱۳۳	سرزمین اندلس میں	۱۳۲	چوٹی اور عقاب
۶۱ تا ۳	عقاب	۱۳۱	حال و مقام
۸۸	غزلیات	۱۳۶	خانقاہ
۱۰۸	فرشتوں کا گیت	۱۳۵	خودی
۸۸	فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں	۱۲۹	خوشحال خان کی وصیت
۱۳۳	فرمان خدا (فرشتوں سے)	۷۲	دعا (مسجد قرطبہ میں لکھی گئی)
۱۳۳	فقر	۹۷	دین و سیاست
۱۳۸	فلسفہ و مذہب	۹۰	ذوق و شوق
	فلسفی		

فہرست غزلیات

(ہر غزل کا مصرعہ ٹائی دیا گیا ہے)

صفحہ	مصرعہ
	ردیف الف
۱۸	یہاں ساقی نہیں پیدا وہاں بے ذوق ہے صہبا
۱۷	غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا
۳	مجھے فکر جہاں کیوں ہو، جہاں تیرا ہے یا میرا
۶	کیا عشق پائیدار سے ناپائیدار کا
۲۳	مروت حسن عالمگیر ہے مردان غازی کا
۲۴	تھم اے رہو کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا
	ردیف ب
۲۸	بہشت مغربیاں جلوہ ہائے پابرکاب
۶۱	مقام شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب
	ردیف د
۵۴	مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد
۵	نہیں ہے داد کا طالب یہ بندہ آزاد
۱۵	کیوں خوار ہیں مردان صفا کیش و ہنرمند
	ردیف ر
(۴۰)	کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں حجاب آخر
۲۲	مصر و حجاز سے گذر، پارس و شام سے گذر

قطعہ	۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵
قید خانہ میں معتد کی فریاد	۸۱
گدائی	۹۵
لالہ صحرا	۱۰۰
لبو	۱۳۷
لینن (خدا کے حضور میر)	۸۵
باہر نفیات سے	۱۴۰
محبت	۱۲۲
مسجد قرطبہ	۷۳
مسونینی	۱۴۶
ملا اور بہشت	۹۶
نادر شاہ افغان	۱۲۸
نپولین کے مزار پر	۱۲۵
نصیحت	۹۹
ہارون کی آخری نصیحت	۱۴۰
ہسپانیہ	۸۳
یورپ	۱۴۱
یورپ سے ایک خط	۱۲۴
(اور) جواب	۱۲۵

حرم کبریا سے آشنا کر
ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر
تسخیر مقام رنگ و بو کر

ردیف ز

اندیشہ دانا کو کرتا ہے جنون آمیز
بشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز

ردیف ش

اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فردا ہے نہ دوش

ردیف ف

خدا کا شکر سلامت رہا حرم کا غلاف
آہ! وہ تیرنیم کش، جس کا نہ ہو کوئی حدف

ردیف ق

یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ردیف ک

رکھتی ہے مگر طاقت پرواز میری ناک
اگرچہ مغربیوں کا جنوں بھی تھا چالاک
مشکل ہے گذر اس میں بے نالہ آتشاک

ردیف گ

دنیا نہیں مردان جفاکیش کے لئے تھک

ردیف ل
اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرائیل

ردیف م

وائے تمنائے خام! وائے تمنائے خام
عشق سے مٹی کی تصویریں میں سوز و مہم
گذر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوب کلیم

ردیف ن

مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغ چمن
خدا مجھے نفس جبرئیل دے تو کموں
آب و گل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں
غلغلہ ہائے الانان بت کدہ صفات میں
وہ جو نظر سے ہے نہاں اس کا جہاں ہے تو کہ میں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں
وہ جلوہ گاہ تیرے خاکدراں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں
جو ناز ہو بھی، تو بے لذت نیاز نہیں
تو آب جو اسے سمجھا کر تو چارہ نہیں
ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

ردیف و

کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تیک و دو
پلا کے مجھ کو مٹے لا الہ الا هو

۱۴	ہے دانش برہانی، حیرت کی فراوانی
۵۹	آج ان خانقہوں میں ہے فقط روہانی
۲۷	تو صاحب منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی
۳۵	کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی
۴۳	کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی
۴۱	کیا چاند تارے، کیا مرغ و ماہی
	رولیف لے
۷	جو مشکل اب ہے یا رب پھر وہی مشکل نہ بن جائے
۳۸	جہاں تیرے لئے، تو نہیں جہاں کے لئے
۴۳	کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں، میری انتہا کیا ہے
۳۷	خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
۵۰	عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے
۵۳	جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے
۲۰	پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک، نہیں ہے
	بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے
۵۰	خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے

۶۰	فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ رولیف
۳۵	تراگنہ کہ نخیل بلند کا ہے گناہ
۵۶	وائے وہ راہرو کہ ہے منتظر راحلہ
۵۲	یک رنگی و آزادی اے ہمت مروانہ
۳۹	سکھائی عشق نے مجھ کو حدیث رندانہ
۱۱	وہ ادب کہ محبت! وہ نگہ کا بازیانہ
۴۲	ٹوٹا ہے ایشیا میں سحر فرنگیانہ
	رولیف ی
۴۱	ہر زورہ شہید کبریائی
۵۵	گستاخ ہے کرتا ہے فطرت کی حنا بندی
۱۰	مقام بندگی دیکر نہ لون شان خداوندی
۲۹	مس آدم کے حق میں کیا ہے دل کی بیداری
۳۲	کمال ترک ہے تسخیر خاک و نوری
۴۶	صلہ ان کی کدو کاوش کا ہے سینوں کی بے نوری
۵۶	جیتا ہے رومی، ہارا ہے رازی
۱۲	میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی
۳۱	نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی
۲۳	کہ جبرئیل سے ہے اس کو نسبت خمیشی
۵۱	فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی
۴۵	کہ میری زندگی کیا ہے؟ یہی تقیان مشتاقی
۸	ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی
۷	دل ہر زورہ میں غوغائے رستاخیز ہے ساقی
۵۷	دیا ہے میں نے انہیں ذوق آتش آشامی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



میری نوائے شوق سے شورِ حرمِ ذات میں
 غلغلہ ہائے الاماں بتکدہ صفات میں
 حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تجلیات میں
 میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں
 گرچہ بے میری جستجوِ دیر و حرم کی نقش بند
 میری فغاں سے رستخیز کعبہ و سومات میں
 گاہ مری نگاہ تیرے چیر گئی دل وجود !
 گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں
 تو نے یہ کیا غضب کیا ! مجھ کو بھی فاش کر دیا
 میں ہی تو ایک راز تھا سینہ کائنات میں

5-12-2000



اگر کج رویں انجسم آسماں تیرا ہے یا میرا ؟
 مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو، جہاں تیرا ہے یا میرا ؟
 اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی
 خطا کس کی ہے یا رب ! لامکاں تیرا ہے یا میرا ؟

اے صبح ازل انکار کی جرأت ہوئی کیونکر
مجھے معلوم کیا ! وہ راز داں تیرا ہے یا میرا !
محمد بھی ترا، جبریل بھی، قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرف شیریں ترجمان تیرا ہے یا میرا !
اسی کو کب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن
زوالِ آدمِ خاک کی زیاں تیرا ہے یا میرا !



ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم !
تباکیا تو مرا ساقی نہیں ہے
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے



گیسوتے تاب دار کو اور بھی تاب دار کر !
ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر
عشق بھی ہو حجاب میں، حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر !
تو ہے محیطِ بیکراں میں ہوں ذرا سی آہنجو !
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بیکنار کر !
میں ہوں سدف تو تیرے ہاتھ میسے گہ کی آہو
میں ہوں خرف تو تو مجھے گوہرِ شہوار کر

نفسہ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو
اس دم نیم سوز کو طائرِ کربہاں کر !
باغِ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے، اب مرا انتظار کر !
روزِ حساب جب مرا پیش ہو دفترِ عمل
آپ بھی شرمسار ہو، مجھ کو بھی شرمسار کر !



اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بے گداز آزاد !
یہ مشتِ خاک، یہ صرصر، یہ وسعتِ افلاک
کرم ہے یا کہ ستم، تیری لذتِ ایجاب !
ٹھہر سکا نہ ہوائے چمن میں خیمہ گل !
یہی ہے فصلِ بہاری؟ یہی ہے بادِ مُراد ؟
قصورِ دار، غریبِ الدیار ہوں، لیکن !
ترا خسرا بہ فرشتے نہ کر سکے آباد !
مری جفا طلبی کو دعائیں دیتا ہے
وہ دشتِ سادہ، وہ تیسرا جہان بے بنیاد
خطرِ پسندِ طبیعت کو سازگار نہیں
وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد

مقام شوق ترے قد سیول کے بس کا نہیں
انہیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے میں زیاد!

۵

کیا عشق ایک زندگی مسعار کا!
کیا عشق پایدار سے ناپا پایدار کا!
وہ عشق، جس کی شمع بجھا دے اجل کی پھونک
اس میں مزا نہیں پیش و انتظار کا
میری بساط کیا ہے؟ تب و تاب یک نفس
شعلہ سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
کر پہلے مجھ کو زندگی حبا وداں عطا!
پھر ذوق و شوق دیکھ دل بے قرار کا!
کانٹا وہ دے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو
یارب وہ درد جس کی کسک لازوال ہو



دل کو مرکز مہر وفا کر
جسے نان جوئی بخشی ہے تو نے
حسین کبریا سے آشنا کر
اسے بازو سے حیدر بھی عطا کر



۶

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یارب پھر وہی مشکل نہ بن جائے
نہ کر دیں مجھ کو مجبور نوا فردوس میں خوریں!
مرا سوزِ دروں پھر گرمی محفل نہ بن جائے!
کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو
کھٹک سی ہے جو سینے میں غم منزل نہ بن جائے
بنایا عشق نے دریائے ناپید اکراں مجھ کو!
یہ میری خود تنگ داری مرا ساحل نہ بن جائے!
کہیں اس عالم بے رنگ و بو میں بھی طلب میری
وہی افسانہ و نسب الہ محفل نہ بن جائے!
عروج آدم خاکی سے انجمن سمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہر کامل نہ بن جائے!

۷

دگرگوں ہے جہاں، تاروں کی گردش تیز ہے ساقی
دل ہر ذرہ میں غوغاے رستا خیز ہے ساقی
متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی!
یہ کس کا فرادا کا غم سزہ خوں ریز ہے ساقی!

وہی دیرینہ بیماری! وہی نامحکمی دل کی!
 علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی!
 حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا
 کہ پیدائی تری اب تک حجابِ آمیز ہے ساقی!
 نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجب کے لالہ زاروں سے
 وہی آبِ دگلِ ایراں، وہی تہِ سریز ہے ساقی
 نہیں ہے نا اُمید اقبال اپنی کشتِ دیراں سے
 ذرا غم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی!
 فقیرِ راہ کو بخشے گئے اسرارِ سلطانی
 بہا میری نوا کی دولتِ پرویز ہے ساقی!

۸

لا پھر اک بار وہی بادہ و جامِ اے ساقی!
 ہاتھ آجائے مجھے میرا مقامِ اے ساقی!
 تین سو سال سے ہیں مہند کے میخانے بند
 اب مناسب ہے ترا فیض ہو عامِ اے ساقی!
 مری میناے غزل میں تھی ذرا سی باقی!
 شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرامِ اے ساقی
 شیر مردوں سے ہوا بیشیہِ تحقیق تہی!
 رہ گئے صوفی و ملا کے غلامِ اے ساقی!

* عشق کی تیغِ جگر دار اڑالی کس نے؟
 علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیم اے ساقی
 * سینہ روشن ہو تو بے سوزِ سخن عینِ حیات
 ہو نہ روشن، تو سخن مرگِ دوامِ اے ساقی
 * تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
 ترے پیانے میں ہے ماہِ تمامِ اے ساقی

۹

* مٹا دیا مرے ساقی نے عالمِ من و تو!
 پلا کے مجھ کو مئےِ لالِ اَلَا اَلَا هُوَ
 نہ مے، نہ شعر، نہ ساقی، نہ شورِ چنگِ و رباب
 سکوتِ کوہِ و لبِ جوئے و لالہِ خود رُو!
 * گدائے میکدہ کی شانِ بے نیازی دیکھ
 پہنچ کے چشمہِ حسیواں پہ توڑتا ہے سبوا!
 * مرا سبوجہِ غنیمت ہے اس زمانے میں
 کہ خاتقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو!
 میں نو نیاز ہوں مجھ سے حجاب ہی اولی
 کہ دل سے بڑھ کے ہے میری نگاہ بے قابو!
 اگرچہ بحر کی موجوں میں ہے مقم اس کا
 صفاے پاکِ طینت سے ہے گہر کا وضو!

جیل تر ہیں گل و لالہ فیض سے اس کے
نگاہ شاعر رنگیں نوا میں ہے حبادو

۱۰

مباح ہے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی!
مقام بندگی دیکر نہ لوں شانِ خداوندی
ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا، نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی، وہاں جینے کی پابندی
حجاب اکیر ہے آوارہ کوئے محبت کو
میری آتش کو بھڑکاتی ہے تیری دیر پیوندی
گذراوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و سیاہاں میں
کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کارِ آشیاں بندگی
یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندگی؟
زیارت گاہِ اہل عزم و ہمت ہے لحدِ میری
کہ خاکِ راہ کو میں نے بتایا رازِ الوندی!
مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو!
کہ فطرتِ خود بخود کرتی ہے لائے کی حنا بندی!



۱۱

تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ؟
وہ ادب گہ محبت! وہ نگہ کا تازیانہ!
یہ بتانِ عصر حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں!
نہ اداے کا فرار نہ تراشِ آزار نہ!
نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشہٴ فراغت
یہ جہاں عجب جہاں ہے! نہ قفس، نہ آشیانہ
رگِ تاک منتظر ہے تری بارشِ کرم کی
کہ عجبم کے میکدوں میں نہ رہی مئے مغانہ!
مرے ہم صیغہ اسے بھی اثر بہار سمجھے!
انہیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ
مرے خاک و خوں سے تو نے یہ جہاں کیا پیدا
صلہٴ شہید کیا ہے؟ تب و تابِ جاودانہ
تیری بندہ پروری سے مرے دن گذر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا، نہ شکایتِ زمانہ!

۱۲

ضمیرِ لالہ مئے لعل سے ہوا لبِ ریز
اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز

بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی !
 کیا ہے اس نے فقیروں کو وارث پرویز
 پر نے ہیں یہ ستارے، فلک بھی فرسودہ
 جہاں وہ چاہیے مجھ کو کہ ہو ابھی نوخیز !
 کہ خبر ہے کہ ہنگامہ نشور ہے کیا ؟
 تری نگاہ کی گردش ہے میری رستاخیز !
 نہ چھین لذت آہ سحر گبی مجھ سے !
 نہ کر نگہ سے تغافل، کوائف آئینہ !
 دل غیب کے موافق نہیں ہے موسم گل !
 صدائے مرغ چمن ہے بہت نشاط انگیز
 حدیث بے خبراں ہے تو بازمانہ بساز
 زمانہ باتوں نازد، تو بازمانہ ستینز !

۱۳

وہی میسری کم نصیبی، وہی تیری بے نیازی
 میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی !
 میں کہاں ہوں تو کہاں ہے ؟ یہ مکاں کہ لامکاں ؟
 یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کوشم سازی !
 اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں !
 کبھی سوز و ساز رومی، کبھی بیچ و تاب رازی

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کر گسوں میں !
 اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہ بازی
 نہ زباں کوئی غزل کی، نہ زباں سے باخبر نہیں
 کوئی دل کشا صدا ہو عجیبی ہو یا کہ تازی !
 نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
 یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی !
 کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے
 کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی !

۱۴

اپنی جولاں گاہ زیر آسمان سمجھا تھا میں !
 آب و گل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں
 بے حجابی سے تری ٹوٹا ہنگاموں کا طلسم !
 اک رداے نیلگوں کو آسمان سمجھا تھا میں
 کارواں تھک کر فضا کے پیچ و خم میں رہ گیا
 مہر و ماہ و مشتری کو ہسم عثمان سمجھا تھا میں
 عشق کی اک جنت نے طے کر دیا قصہ تمام
 اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں
 کہ گئیں رازِ محبت پرودہ دار ہیاے شوق !
 تھی فغاں وہ بھم، جسے ضبط فغاں سمجھا تھا میں

تھی کسی در ماندہ رُسو کی صدائے دردناک
جس کو آوازِ حسیل کارواں سمجھا تھا میں!

۱۵

اک دانش نورانی، اک دانش برہانی
ہے دانش برہانی، حیرت کی فراوانی
اس پیکرِ خاکی میں اک شے ہے سودہ تیری
میرے لیے مشکل ہے اس شے کی نگہبانی
اب کیا جو فغاں میری پہنچی ہے ستاروں تک
تو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو یہ غزل خوانی
ہو نقش اگر باطل، تکرار سے کیا حاصل؟
کیا تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی یہ ارزانی؟
مجھ کو تو سکھا دی ہے، افرنگ نے زندگی
اس دور کے مڈ میں کیوں ننگِ مسلمانی؟
تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
ناداں جسے کہتے ہیں تقدیر کا زندانی!
تیرے بھی صنم خانے، میرے بھی صنم خانے
دونوں کے صنم خاکی، دونوں کے صنم فانی

۱۶

یارب! یہ جہاں گزراں خوب ہے لیکن
کیوں خوار ہیں مردانِ صفا کیش و ہنرمند؟
گو اس کی خدائی میں مہاجن کا بھی ہے ہاتھ
دنیا تو سمجھتی ہے فسہنگی کو خداوند!
تو برگ گیا ہے نہ وہی اہلِ خسرو را
او کشت گلِ دلالہ بہ بخشد بہ خرے چند
حاضر ہیں کلیسا میں کسب و مئے گلگون!
مسجد میں دھرا کیا ہے بحرِ موعظہ و پسند!
احکام ترے حق ہیں، مگر اپنے مفسر!
تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پازند
فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنک کا ہر قریب ہے فردوس کی مانند
مدت سے ہے آوارہ افلاک مرا فکر
کرے اسے اب چاند کی غاروں میں نظر بند
فطرت نے مجھے بخشے ہیں جو ہر ملکوتی!
خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پونید



اعلیٰ حضرت شہید امیر المومنین نادر شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف و کرم سے نومبر ۱۹۳۳ء میں مصنف کو حکیم سنائی غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ چند انکار پریشاں، جن میں حکیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے، اس مدد سعید کی یادگار میں سپرد قلم کیے گئے۔
 ”ما از پے سنائی و عطا را مدیم“



سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا
 غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا
 خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
 یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا، نہ میں سمجھا
 نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے
 کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں فریا
 رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی ہے منبر کی
 کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا
 خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں، غلامی میں
 زہر کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغناء!
 نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
 تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

درویشِ خدا مست نہ شرقی ہے، نہ غربی!
 گھر میرا نہ دلی، نہ صفا ہاں، نہ سمرقند!
 کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق!
 نے ابلہ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند
 اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں، بیگانے بھی ناخوش
 میں زہرِ ہلاک کو کبھی کہہ نہ سکا قند!
 مشکل ہے کہ اک بندہ حق بین و حق اندیش
 خاشاک کے تو دے کو کہے کوہِ دماوند!
 ہوں آتشِ نمرود کے شعلوں میں خاموش
 میں بندہٴ مومن ہوں، نہیں دانہٴ اسپند
 پُرسوز و نظر بازوں کو ہیں وکم آزار!
 آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خورسند!
 ہر حال میں میرا دل بے قید ہے خرم
 کیا چھینے گا بچنے سے کوئی ذوقِ شکر خند
 چپ رہ نہ سکا حضرتِ یزداں میں بھی اقبالِ
 کرتا کوئی اس بندہٴ گستاخ کا منہ بند!



بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے مینے
 یہاں ساتی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق بے صہیا!
 نہ ایراں میں رہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی
 وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر و کسرے
 یہی شیخ حرم ہے جو چراگزینچ کھاتا ہے!
 گلیم بُوڈر و دلق اویس و چادر زھڑا!
 حضور حق میں اسلافیل نے میری شکایت کی
 یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کرنے دے برپا
 ندا آئی کہ آشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
 دگر فتنہ چینیاں احرام و مکی خفستہ در بطحا!
 لبالب شیشہ تہذیب حاضر ہے مے لائے
 مگر ساتی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانہ الا
 دبار رکھا ہے اس کو زخمہ در کی تیز دستی نے
 بہت نیچے سروں میں ہے ابھی یورپ کا داویلا
 اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
 نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا!



غلامی کیا ہے؟ ذوق حسن و زیبائی سے محرومی!
 جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا!
 بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
 کہ دنیا میں فقط مردانِ حُسر کی آنکھ ہے بینا!
 وہی ہے صاحبِ امور و جس نے اپنی ہمت سے
 زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا!
 فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھر ہو گئے پانی!
 مری اکیر نے شیشے کو بخششی سختی خارا!
 رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
 مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بریضا!
 وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے
 جسے حق نے کیا ہونیستال کے واسطے پیدا!
 محبتِ خویشتن بینی، محبتِ خویشتن داری!
 محبتِ آستانِ قیصر و کسرے سے بے پروا!
 عجب کیا گرمہ و پردیں مرے پنجیر ہو جائیں
 کہ برفرازِ صاحبِ دولت بستم سر خود رائے
 وہ دانائے سُبُلِ ختمِ الرسل مولاے کل جس نے
 غبارِ راہ کو بخشاف و رخ وادی سینا!

نگاہِ عشق وستی میں وہی اول، وہی آخر!
وہی قرآن، وہی فرقان، وہی پستیں، وہی طابا!
سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوے لالا!

۲

یہ کون غزلِ خواں ہے پُر سوز و نشاط انگیز
اندیشہ دانا کو کرتا ہے جنوں آمیز!
گو فقر بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ!
ناپختہ ہے پرویزی، بے سلطنت پرویز
اب حجرہ صوفی میں وہ فقر نہیں باقی
خونِ دلِ شیراں ہو، جس فقر کی دستاویز
اے حلقہ درویشاں وہ مردِ خدا کیسا!
ہو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستاخیز!
جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکری سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز
کرتی ہے ملکیت آثارِ جنوں پیدا!
اللہ کے نشتر ہیں تیور ہو یا چنگیز!
یوں دادِ سخن مجھ کو دیتے ہیں عراق و پارس
یہ کافر ہندی ہے بے تیغ و سناں خوریز!

۳

وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں
خدا مجھے نفسِ جبرئیل دے تو کہوں!
ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا!
وہ خود فخرِ انجی افلاک میں ہے خوار و زبوں
حیات کیا ہے، خیمال و نظیر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گونا گوں
عجب مزا ہے مجھے لذتِ خودی دے کر
وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں نہ رہوں
ضمیر پاک و نگاہِ بلند و مستیِ شوق
نہ مال و دولتِ قاروں، نہ فکرِ افلاطوں
سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں
یہ کائنات ابھی نامتِ مسم ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے کن فیکو
علاجِ آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خسرد پہ ہے غالبِ فرنگیوں کا فسوں
اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اسی کے فیض سے میرے سبویں۔ بے حیوں

۴

عالم آب و خاک و باد! سرِ عیاں ہے تو کہ میں؟
وہ جو نظر سے ہے نہاں اس کا جہاں ہے تو کہ میں؟
وہ شبِ درد و سوز و غم کہتے ہیں زندگی جسے
اس کی سحر ہے تو کہ میں؟ اس کی اذال ہے تو کہ میں؟
کس کی نمود کے لیے شام و سحر میں گرم سیر
شانہ روزگار پر بارِ گراں ہے تو کہ میں؟
تو کفِ خاک و بے بصر! میں کفِ خاک و نمودِ نگراں
کشتِ وجود کے لیے آبِ رواں ہے تو کہ میں؟

۵

تو ابھی رہ گزرتی میں ہے قیدِ مقام سے گزرتی
مصر و حجاز سے گزرتی، پارس و شام سے گزرتی
جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزرتی، بادہ و حبام سے گزرتی
گرچہ ہے دلکش بہت حسنِ فرنگ کی بہار
طائرِ کرب و بلبلِ بالِ دانہ و دام سے گزرتی
کوہِ تنگاف تیری ضرب، تجھ سے کثرتِ شرق و غرب
تیغِ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے گزرتی

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گذر، ایسے امام سے گذر!

۶

امین راز ہے مردانِ حُسر کی درویشی!
کہ جبرئیل سے ہے اس کو نسبتِ خویشی!
کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے؟
فقیہہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی!
نگاہِ گرم کہ شیروں کے جس سے ہوش اُڑ جائیں
نہ آہِ سرد کہ ہے گو سفندی و میشی!!
طیبِ عشق نے دیکھا مجھے توفریا
ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی!
وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جانِ پاک جسے
یہ رنگ و غم، یہ لہو، آب و نال کی ہے بیشی!

۷

پھر چربارِ غلّہ سے روشن ہوئے کوہِ دین
مجھ کو پھر نفسوں پہ اکسانے لگا مرغِ چمن!
پھول ہیں صحرائیں یا پریاں قطار اندر قطار
اُودے اُودے نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرِ بہن

برگ گل پر رکھ گئی شبِ بنم کا موتی بادِ صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن
حسن بے پروا کو اپنی بے نفتابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنستا نہ بن، اپنا تو بن
من کی دنیا؛ من کی دنیا سوز و مستی جذبِ مشوق
تو کی دنیا؛ تن کی دنیا سود و سودا مکرو و من
من کی دولت، ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے! آتا ہے دھن جاتا دھن
من کو دنیا میں نہ پایا میں نے افسرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہن
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جگہ کا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن!



مسماں کے بہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا
مروت حسن عالم گیر ہے مردانِ غباری کا
نسکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتبے
سبق شایم بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

بہت مدت کے پنجیروں کا اندازِ نگہ بدلا!
کہ میں نے فاشش کر ڈالا طرہِ شہبازی کا
قلندریہ جزوِ حرفِ لالہ کچھ بھی نہیں رکھتا!
فقیہ شہر قاروں بے لغت ہاے حجازی کا
حدیثِ بادہ و مسندِ جامِ آتی نہیں مجھ کو
نہ کر خارا سگانوں سے تقاضا شیشہ سازی کا
کہاں سے تو نے اے اقبال سیکھی ہے دیویشی
کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا



عشق سے پیدا نواے زندگی میں زیر و بم!
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز و مبدم
آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر کا ہی کاغذ
اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دار و جسم!
دل کی آزاوی شہنشاہی شکمِ سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم؟
اے مسماں! اپنے دل سے پوچھو، ملا سے نہ پوچھو
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم؟

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں ؟
 فقط یہ بات ، کہ پیسہ مغاں ہے مردِ خلیق !
 علاجِ ضعف یقیناً ان سے ہو نہیں سکتا !
 غریب اگرچہ ہیں رازی کے حکمت ہائے دقیق
 مریدِ سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب
 خدا کرے کہ اے شیخ کو بھی یہ توفیق !
 اُسی تسلیم کہن میں اسیر ہے آدم !
 بغل میں اس کی ہیں اب تک بتانِ عہدِ عتیق
 مرے لیے تو ہے اقرار باللسان بھی بہت
 ہزار شکر ، کہ ملا ہیں صاحبِ تصدیق !
 اگر ہو عشق ، تو ہے کفر بھی مسلمانی !
 نہ ہو ، تو مردِ مسلمان بھی کافر و زندیق !

۱۲

پوچھ اُس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی
 تو صاحبِ منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی
 کافر سے مسلمان ، تو نہ شاہی ، نہ فقیری
 مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی
 کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
 مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

۱۰

دل سوز سے خالی ہے ، ننگہ پاک نہیں ہے !
 پھر اس میں عجب کیا کہ توبے باک نہیں ہے
 ہے ذوقِ تخیلی بھی اسی خاک میں پنہاں
 غافل ! تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے
 رہ آنکھ کہ ہے سرمہِ افرنگ سے روشن !
 پرکار و سخن ساز ہے ! منک نہیں ہے
 کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی !
 اُن کا سردامن بھی ابھی چاک نہیں ہے !
 کب تک رہے محکومؔ انجسم میں مری خاک
 یا میں نہیں ، یا گردشِ افساک نہیں ہے !
 بجلی ہوں نظرِ کوہِ سیاہاں پہ ہے مری !
 میرے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے !
 علم ہے فقط مومنِ جانبِ از کی میراث
 مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے !

۱۱

✓ ہزار خوف ہو ، لیکن زباں ہو دل کی رضیت
 یہی رہا ہے ازل سے قفسِ دروں کا طریق !

کافر ہے تو ہے تابعِ تقدیر مسلمان !
 مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الہی !
 میں نے تو کیا پردہ اسرار کو بھی چاک
 دیرینہ ہے تیرا مرض کور نگاہی !

۱۳

یہ حُورِ بایں فسرنگی، دل و نظر کا حجاب
 بہشتِ مغربیاں جلوہ ہائے پابرکاب
 دل و نظر کا سفینہ سنبھال کرے جا
 مہ و ستارہ ہیں بحرِ وجود میں گرداب
 جہانِ صوت و صدا میں سم نہیں سکتی
 لطیفہ ازلی ہے فغانِ چنگ و فراب
 ✓ سکھا دیے ہیں اسے شیوہ ہائے خانقہ
 فقیہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب
 ✓ وہ سجدہ، روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
 اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب !
 سُنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذال میں نے
 دیا تھا جس نے پہاڑوں کو ریشہ سیاب
 ہوائے قرطبہ شاید یہ ہے اثر تیرا
 مری نوا میں ہے سوز و سرورِ عہدِ شباب

۱۴

دل بیدار فاروقی، دل بیدار کزازی !!
 مس آدم کے حق میں کیا ہے دل کی بیداری
 ✓ دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
 نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہو کاری
 مشامِ تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا
 ظن و سخنیں سے ماتھ آتا نہیں آہوے تاتاری
 ✓ اس اندیشے سے ضبطِ آہ میں کرتا رہوں کب تک
 کہ مُنغِ زادے نہ لے جائیں تری قسمت کی چنگاری
 ✓ خداوندِ اے تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں !
 کہ درویشی بھی عتباری ہے سلطانی بھی عیاری
 ✓ مجھے تہذیبِ حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
 کہ ظاہر میں تو آزادی ہے، باطن میں گرفتاری !
 تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
 مری دانش ہے افرنگی، مرا ایماں ہے زناری

۱۵

خودی کی شوخی و تنہائی میں کبر و ناز نہیں !
 جو ناز ہو بھی، تو بے لذتِ نیاز نہیں

کھول کے کیا بیاں کروں بستر مقام مرگ و عشق
عشق ہے مرگ، با شرف، مرگ، حیات بے شرف
صحبت پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ رازِ فاش
لاکھ حکیم سرِ بجیب، ایک کلیم سرِ بکف !
مشلِ کلیم ہوا اگر معرکہ آزا کوئی !
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لا تخف !
✓ خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرِ مہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

۱۷

✓ زمستانی ہوا میں گر چہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سخنِ تیزی
✓ کہیں سرایۂ محفل تھی میسری گرم گفتاری
کہیں سب کو پریشان کر گئی میسری کم آمیزی
زامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کو کہن میں بھی وہی جیسے ہیں پرویزی
جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تباہ ہو !
جدا ہوں دیں سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی
سوادِ رومۃ الکبرئے میں دلی یاد آتی ہے !
وہی عبرت، وہی عظمت، وہی شانِ دلاورزی !

نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے !
شکارِ مُردہ سزاوارِ شاہباز نہیں
مری نوا میں نہیں ہے ادائے محبوبی !
کہ بانگِ صورِ سرافیل دلِ نواز نہیں
سوالِ مے نہ کروں ساقیِ فرنگ سے میں
کہ یہ طریقہٴ رندانِ پاکباز نہیں !
ہوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومتِ عشق
سبب یہ ہے کہ محبتِ زمانہ ساز نہیں
اک اضطرابِ مسلسل غیب ہو، کہ حضور !
میں خود کہوں تو مری داستانِ دراز نہیں
اگر ہو ذوقِ تو خلوت میں پڑھ زبورِ عجم
نفانِ نیم شبی بے نوالے راز نہیں

۱۶

میرِ سپاہِ ناسزا، شکریاں شکستہ صف
آہ ! وہ تیرِ نیم کش، جس کا نہ ہو کوئی ہدف
✓ تیرے محیط میں کہیں گوہرِ زندگی نہیں !
ڈھونڈ چکا میں موجِ موج، دیکھ چکا صدفِ صدف
✓ عشقِ بتاں سے ہاتھ اٹھا، اپنی خودی میں ڈوب جا
نقشِ نگارِ دیر میں خونِ جگر نہ کر تلف !

۱۸

یہ دیر کہن کیا ہے؟ انبارِ خس و خاشاک !
 مشکل ہے گذرا اس میں بے نالہ آتشناک
 نچیرِ محبت کا قصہ نہیں طولانی !
 لطفِ غلش پیکان، آسودگیِ فتراک !
 کھویا گیا جو مطلب ہفتاد و دولت میں
 سمجھے گا نہ تو جب تک بیرنگ نہ ہو ادراک !
 اک شرعِ مسلمانی، اک جذبِ مسلمانی !
 ہے جذبِ مسلمانی سرفسک الافلاک !
 اے رہبرِ فرزانہ ! بے جذبِ مسلمانی
 نے راہِ عمل پرانے شاخِ یقینِ نناک
 رمزیں ہیں محبت کی گستاخی و بیباکی !
 ہر شوق نہیں گستاخ ہر جذب نہیں بیباک
 فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
 یا اپنا گریباں چاک، یا دامنِ یزداں چاک

۱۹

کمال ترک نہیں آب و گل سے مہجوری
 کمال ترک ہے تسخیرِ خاکی و نوری !

میں ایسے فقر سے لے اہلِ حلقہ باز آیا !
 تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری !
 نہ فقر کے لیے موزوں، نہ سلطنت کے لیے
 وہ قوم جس نے گنوا یا متاعِ تیموری !
 سنے نہ سائی مہوش تو اور بھی اچھا
 عیارِ گرمیِ صحبت ہے حرفِ معذوری
 حکیم و عارف و صوفی تمام مستِ ظہور
 کے خبر کہ تجبلی ہے عینِ مستوری !
 وہ ملتفت ہوں تو کجِ قفس بھی آزادی !
 نہ ہوں تو صحنِ چمن بھی مقامِ مجبوری
 بُرا نہ مان، ذرا آزما کے دیکھ اسے !
 فرنگِ دل کی خرابی ضرور کی معسوری

۲۰

عقل گو آستناں سے دور نہیں
 دل بیسنا بھی کر خدا سے طلب
 علم میں بھی سرور ہے لیکن
 کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
 اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
 ناصبوری ہے زندگیِ دل کی
 اس کی تقدیر میں حضور نہیں
 آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں
 یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں
 ایک بھی صاحبِ سرور نہیں
 اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں
 آہ ! وہ دل کہ ناصبور نہیں

بے حضوری ہے تیری موت کا راز زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں
 ہر گھرنے صدف کو توڑ دیا تو ہی آمادہ ظہور نہیں
 اِس فیض میں بھی کہہ رہا ہوں مگر
 یہ حدیثِ کلیم و طور نہیں

۲۱

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
 تو آبِ بحر اسے سمجھا اگر توحید نہیں!
 طلسمِ گنبدِ گردوں کو توڑ سکتے ہیں
 زجاج کی یہ عمارت ہے سنگِ خارہ نہیں
 خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں
 مگر یہ حوصلہ مردِ سیچ کا رہ نہیں!
 ترے مقام کو انجم شناس کیا جانے
 کہ خاکِ زندہ ہے تو تاجِ ستارہ نہیں
 یہیں بہشت بھی ہے، خور و جبریل بھی ہے
 تری نگہ میں ابھی شوخیِ نظر رہ نہیں!
 مرے جنوں نے زمانے کو خوب پہچانا!
 وہ پسیر بن مجھے بخشا کہ پارہ پارہ نہیں
 غضب ہے عینِ کرم میں نجیل ہے فطرت
 کہ نعلِ ناب میں آتش تو ہے شرارہ نہیں

۲۲

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح کا ہی!
 کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقامِ پادشاہی!
 تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے
 جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو رُوسیاہی!
 نہ دیا نشانِ منزل مجھے اے حکیم تو نے!
 مجھے کیسا گلہ ہو تجھ سے، تو نہ رہ نشیل نہ راہی!
 مرے حلقہٴ سخن میں ابھی زیرِ تربیت ہیں
 وہ گدا کہ جانتے ہیں رہ و رسمِ کجکلاہی!
 یہ معاملے ہیں نازک، جو تری رضا ہو، تو کر
 کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خافقاہی!
 تو ہمساکا ہے شکاری ابھی ابتدا ہے تیری!
 نہیں مصلحت سے خالی یہ جہانِ مرغ و ماہی!
 تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لا الہ الا
 لغتِ غریب، جب تک ترا دل نہ دے گویا

۲۳

تری نگاہِ فرومایہ، ہاتھ ہے کوتاہ!
 ترا گنہ کہ نجیلِ بلند کا ہے گناہ!

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صد اَلَا اِلَہَ اِلَّا اللہ!
خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل
یہی ہے تیرے لیے اب صلاح کار کی راہ
حدیثِ دل کسی درویشِ بے کلیم سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ!
برہنہ سر ہے تو عزمِ بلند پیدا کر
یہاں فقط سرِ شاہیں کے واسطے ہے کلاہ!
نہ رہے ستارے کی گردش، نہ بازیِ افلاک
خودی کی موت ہے تیرا زوالِ نعمت و جاہ!
اٹھائیں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ!

﴿ ۲۴ ﴾

خسر دے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاجِ نظر کے سوا کچھ اور نہیں
ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیاتِ ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں
گراں بہا ہے تو حفظِ خودی سے ہے ورنہ
گہر میں آبِ گہر کے سوا کچھ اور نہیں

رگوں میں گردشِ نوحں ہے اگر تو کیا حاصل!
حیاتِ سوزِ حُبِ گر کے سوا کچھ اور نہیں!
عروسِ لالہ! مناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب
کہ میں نسیمِ سحر کے سوا کچھ اور نہیں!
جسے کد سمجھتے ہیں تاجِ برانِ فرنگ
وہ شے مستاعِ ہنر کے سوا کچھ اور نہیں!
بڑا کریم ہے اقبالِ بے نوا لیکن!
عطائے شعلہ شرر کے سوا کچھ اور نہیں

﴿ ۲۵ ﴾

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے!
خسارِ کج جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے!
بتوں سے تجھ کو اُمیدیں، خدا سے نومیہ
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!
فلک نے ان کو عطا کی ہے خواہی کہ جنہیں
خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے!
فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصدِ دل کا!
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبسری کیا ہے!
اسی خط سے عتابِ ملوک ہے مجھ پر
کہ جانتا ہوں مالِ سکندری کیا ہے!

کے نہیں ہے تمنائے سروری، لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے!
خوش آگئی ہے جہاں کو قلندر میری
وگر نہ شعر مرا کیا ہے، شاعری کیا ہے!

۲۶

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کیلئے
جہاں ہے تیرے لیے، تو نہیں جہاں کے لیے
یہ عقل و دل ہیں شررِ شعلہٴ محبت کے!
وہ خار و خس کے لیے ہے، یہ نیساں کے لیے!
مقام پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ چسپن
نہ سیرِ گل کے لیے ہے، نہ آسماں کے لیے
رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک!
تراسفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کے لیے
نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہِ داں کے لیے!
نگہ بند، سخنِ دل نواز، حباں پر سوز!
یہی ہے رختِ سفرِ میسر کا رواں کیلئے
ذرا سی بات تھی، اندیشہٴ عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے فقط زربِ داستان کیلئے

مرے گلو میں ہے اک نغمہٴ جبرئیل آشوب
سب نکال کر جسے رکھا ہے لامکاں کے لیے

۲۷

تو اے اسیرِ مکاں! لامکاں سے دُور نہیں
وہ جلوہ گاہِ ترے خاکِ داں سے دُور نہیں
وہ مرغِ نزار کہ بیمِ خنزاں نہیں جس میں
غیمیں نہ ہو کہ ترے آسماں سے دُور نہیں
یہ ہے خلاصہٴ علمِ قلندرِ می، کہ حیات
خدا نگ جستہ ہے لیکن کماں سے دُور نہیں
فضا تری مہ و پرویں سے ہے ذرا آگے!
قدم اٹھایہ مقامِ آسماں سے دُور نہیں
کہے نہ راہِ نما سے کہ چھوڑ دے مجھ کو!
یہ بات راہِ رنکتہٴ داں سے دُور نہیں

۲۸

(یورپ میں لکھے گئے)

خبر دے مجھ کو عطا کی نظرِ حکیمانہ!
سکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ زندانہ
نہ بادہ ہے، نہ صراحی، نہ دُورِ پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزمِ حبانانہ

کیا دید بے نادر، کیا شوکت تیموری !
 ہو جاتے ہیں سب دفتر غرق مے ناب آخر !
 خلوت کی گھڑی گزری، جلوت کی گھڑی آئی
 چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوشِ سحاب آخر !
 تھا ضبط بہت مشکل اس سبیلِ معانی کا
 کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

﴿ ۳۰ ﴾

ہر شے مسافر ہر چیز راہی ! کیا چاند تارے کیا مرغِ شاہی
 تو مرمیال تو میرِ شکر ! نوری حضور تیرے سپاہی
 کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی یہ بے سواد یہ کم نگاہی
 دنیائے دُلوں کی کتنگِ غلامی یار! ہسبی کر یا پادشاہی
 پسیرِ حرم کو دیکھا ہے میں نے
 کردار بے سوز ! گفتارِ رواہی !

﴿ ۳۱ ﴾

ہر چیز ہے مجھ خود نسائی ہر ذرہ شہید کبر رانی !
 بے ذوق نمودِ زندگی موت تعمیرِ خودی میں ہے خدائی !
 رائی زورِ خودی سے پرست پرست ضعیفِ خودی سے رائی
 تارے آوارہ و کم آمیز تقدیرِ وجود ہے جدائی !

میسری نو اے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
 کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ !
 کلی کو دیکھ، کہ ہے نشہ نسیمِ سحر !
 اسی میں ہے مرے دل کا تمام افسانہ
 کوئی بتائے مجھے یہ غنیاب ہے کہ حضور
 سب آشنا ہیں یہاں ایک میں ہوں بیگانہ !
 فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں
 مرے جنوں کو سنبھالے اگر یہ ویرانہ !
 مقامِ عقل سے آسماں گزر گیا اقبال
 مقامِ شوق میں کھویا گیا وہ فرزانہ !

﴿ ۲۹ ﴾

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
 کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں حجاب آخر
 احوالِ محبت میں کچھ فراق نہیں ایسا !
 سوز و تب و تابِ اول، سوز و تب و تابِ آخر !
 میں تجھ کو بتاتا ہوں نقتِ دیرِ اُمم کیا ہے
 شمشیر و سناںِ اول، طاؤس و ربابِ آخر
 میخانہِ یورپ کے دستورِ نرا لے ہیں
 لاتے ہیں سرورِ اول، دیتے ہیں شرابِ آخر !

یہ پہلے پہر کا زرد رو چاند
تیری قندیل ہے ترا دل !
بے راز و نیاز آشنائی
تو آپ ہے اپنی روشنائی
اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں
باقی ہے نمودِ سیمائی !
ہیں عقدہ کشا یہ خارِ صحرا
کم کر گلہ برہنہ پائی

۳۳

عجبا ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ !
ٹوٹا ہے ایشیا میں سحرِ فرنگیانہ !
تعمیرِ آشتیاں سے ہیں نئے یہ راز پایا !
اہلِ نوا کے حق میں بجلی ہے آشتیانہ !
یہ بندگیِ خدائی، وہ بندگیِ گدائی
یا بندہِ خدا بن، یا بندہِ زمانہ
غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی
شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ
اے لآلہ کے وارث باقی نہیں ہو تجھ میں
گفتارِ دلبرانہ، کردارِ قاہرانہ !
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ !
رازِ حرم سے شاید اقبالِ باخبر ہے !
ہیں اس کی گفتگو کے اندازِ محرمانہ !

۳۳

خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں، میری ابتدا کیا ہے !
خود دی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے !
مقامِ گفتگو کیا ہے اگر میں کیمیا گر ہوں !
یہی سوزِ نفس ہے اور میری کیمیا کیا ہے !
نظر آئیں مجھے تقدیر کی گہرائیاں اس میں
نہ پوچھ لے ہمنشیں مجھ سے وہ چشمِ سہرہ سا کیا ہے !
اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھتا مقامِ کبریا کیا ہے !
نوائے صبح گاہی نے جب گریخوں کو دیا میرا
خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے !

۳۴

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

۱۔ جرمنی کا مشہور مجددِ فلسفی نیٹشا، جو اپنے قلبی واردات کا صحیح انداز نہ کر سکا اور اس لیے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط راستہ پر ڈال دیا۔

عطش رہو، رومی ہو، رازمی ہو، غزالی ہو
 کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی !!
 نومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرانہ
 کم کوشش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں ابی
 اے طاہرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
 جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی !
 دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیرِ اولی !
 ہو جس کی فقیری میں بوئے اسدِ اللہ !
 آئینِ جوانمرداں حق گوئی و سیبائی !!
 اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۳۵

مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا
 تھم اے رہبر کہ شاید پھر کوئی مشکل مقم آیا
 ذرا تفتدیر کی گہرائیوں میں ڈوب جا تو بھی
 کہ اس جنگاہ سے میں بن کے تیغ بے نیام آیا
 یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
 یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا
 چل اے میری غریبی کا تماشا دیکھنے والے
 وہ محفل اٹھ گئی جس دم تو مجھ تک دوڑ جب آیا

دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوزا پسنا
 یہ اک مردِ تن آساں تھا، تن آسانوں کے کام آیا
 اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں !
 بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہیں زیرِ دم آیا

۳۶

نہ ہو طغیانِ مشتاقی تو میں رہتا نہیں باقی
 کہ میری زندگی کیا ہے؟ یہی طغیانِ مشتاقی
 مجھے فطرتِ نوا پر پے بہ پے مجبور کرتی ہے
 ابھی محفل میں ہے شاید کوئی دردِ آشنا باقی
 وہ آتش آج بھی تیرا نشیمن پھونک سکتی ہے
 طلبِ صادق نہ ہو تیری تو پھر کیا شکوہ باقی
 نہ کرا فرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے
 کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی برائی !
 دلوں میں دلوے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے
 نگاہوں میں اگر سپیدانہ ہو اندازِ آفاقی !
 خزاں میں بھی کب آسکتا تھا میں صیاد کی زد میں
 مری غمت از تھی شاخِ نشیمن کی کم اور آتی !
 اُلٹ جائیں گی تدبیریں، بدل جائیں گی تقدیریں
 حقیقت ہے، نہیں میرے تخیل کی یہ خستہ فانی

۳۷

فطرت کو خرد کے رُو بُرو کر
تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے
تاریوں کی فضا ہے بیکرا نہ
تو بھی یہ مقامِ آرزو کر
عُمرِ بیاں میں ترے چمن کی خوریں
چاک گلِ دالہ کو رنو کر!
بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اُس سے نہ ہو سکا، وہ تو کر!

۳۸

یہ پیرانِ کلیسا و حرم! اے وائے مجبوری
صلہ ان کی کدو کاوش کا ہے سینوں کی بے نوری
یقین پیدا کر اے ناداں! یقین سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی، کہ جس کے سامنے جھکتی ہے نفخوری!
کبھی حیرت، کبھی مستی، کبھی آہِ سحر گاہی!
بدلتا ہے ہزاروں رنگِ میرا دردِ مجبوری!
حدِ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشقِ مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہو، دُوری
وہ اپنے حُسن کی مستی سے ہیں مجبورِ پیدائی
مری آنکھوں کی بیسنائی میں ہیں اسبابِ مستواری

کوئی تقدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں در نہ
نہ تھے ترکانِ عثمانی سے کم ترکانِ سیوری
فقیرانِ حرم کے ہاتھ اقبال آگیا کیونکر!
میسرِ میسر و سلطان کو نہیں شاہین کا فوری

۳۹

تازہ پھر دانشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم!
گذرا اس عہد میں ممکن نہیں بے چوبِ کلیم!
عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملتا ہے، نہ زاہد، نہ حکیم!
عیشِ منہزل ہے غریبانِ محبت پر حرام
سب مسافر ہیں بظاہر، نظر آتے ہیں مقیم!
ہے گراں سیرِ غمِ راحلہ و زاوے تو!
کوہ و دریا سے گذر سکتے ہیں مانند نسیم!
مردِ درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصابِ زروِ نسیم!

۴۰

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
یہاں سیکڑوں کا رواں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں

تقاعد نہ کر عالم رنگ و بو پر چمن اور بھی، آشتیاں اور بھی ہیں
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم! مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے، پرواز ہے کام تیرا ترے سامنے آسمان اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں

یہاں اب مرے راز داں اور بھی ہیں

۴۱

(فرانس میں لکھے گئے)

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیش جہاں کا دوام
وائے تمناے ندام! وائے تمناے خام
پیرِ حرم نے کہا سن کے مری رویدا!
پختہ ہے تیری فغاں، اب نہ اسے دل میں تھام
تھا آبرائی گو کلیئم، میں آبرائی گو نہیں!
اُس کو تفتاضا روا، مجھ پہ تفتاضا حرام
گرچہ ہے افشاے راز، اہل نظر کی فغاں
ہو نہیں سکتا کبھی شیوہ رندانہ عام!
حلقہ صوفی میں ذکر، بے نم و بے سوز و ساز
میں بھی رہا تشنہ کام، تو بھی رہا تشنہ کام
عشق تری انتہا، عشق مری انتہا!
تو بھی ابھی نامتسام، میں بھی ابھی نامتسام

آہ! کہ کھو یا گیا تجھ سے فقیری کا راز!
ورنہ ہے مالِ فقیر، سلطنتِ روم و شام

۴۲

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل
عذابِ دانش حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل!
فریب خوردہ منزل ہے کارواںِ ورنہ
زیادہ راحتِ منزل سے ہے نشاطِ حریص!
نظر نہیں تو مرے حلقہ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکستے ہائے خودی ہیں مشالِ تیغِ اصریل!
مجھے وہ درسِ فرنگ آج یاد آتے ہیں
کہاں حضور کی لذت، کہاں حجابِ دلیل
اندھیری شب ہے، جدا اپنے قافلے سے ہے تو
ترے لیے ہے مرا شعلہ نوا، قندیل!
غریب و سادہ و رنگیں سے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل!



۴۳

مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟
خافتا ہوں میں کہیں لذتِ اسرار بھی ہے؟
منزلِ رُسرواں دور بھی، دشوار بھی ہے!
کوئی اس قافلہ میں قافلہ سالار بھی ہے!
بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکہ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرار بھی ہے
علم کی حد سے پرے بندہ مومن کے لیے!
لذتِ شوق بھی ہے، نعمتِ دیدار بھی ہے!
پرِ میخانہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ!
سست بنیاد بھی ہے آئینہ دیوار بھی ہے

۴۴

حادثہ وہ جو ابھی پردہٴ افلاک میں ہے!
عکس اس کا مرے آئینہٴ ادراک میں ہے
نہ ستارے میں ہے، نہ گردشِ افلاک میں ہے
عمریِ تقدیر مرے نالہٴ بیباک میں ہے!
یا مری آہ میں کوئی شریرِ زندہ نہیں!
ماذرا نہ ابھرتے خم و خاشاک میں ہے!

کیا عجب! مری نوا ہائے سحر گاہی سے!
زندہ ہو جائے وہ آتش کہ تری خاک میں ہے
توڑ ڈالے گی یہی خاک طمسِ شب و روز
گرچہ الجھی ہوئی تقدیر کے پیچاک میں ہے!

۴۵

رہانہ حلقہٴ صوفی میں سوزِ مشتاقی!
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی
خراب کو شکِ سلطان و خافتا، فقیر
فغاں کہ تخت و مصلیٰ کمالِ زراتی!
کرے گی داوِ محشر کو شرمسار اک روز
کتابِ صوفی و ملا کی سادہ اوراتی!
نہ چینی و عربی وہ، نہ رومی و شامی!
سما سکا نہ دو عالم میں مردِ آفاتی
مے شہانہ کی مستی تو ہو چکی لیکن
کھٹک رہا ہے دلوں میں کرشمہٴ ساقی
چسمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر!
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریافتی
عزیز تر ہے متاعِ امیر و سلطان سے
وہ شعر جس میں ہو جہلی کا سوز و براتی

﴿ ۴۶ ﴾

ہوا نہ زور سے اس کے کوئی گریباں چاک
اگرچہ مغربوں کا جنوں بھی تھا چالاک
مے یقیں سے ضمیر حیات ہے پر سوز
نصیب مدرسہ یارب یہ آبِ آتشناک
عروجِ آدمِ خاک کی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیلگوں افلاک
یہی زمانہ حاضر کی کائنات ہے کیا
دماغ روشن و دل تیرہ و نگہ بیباک
تو بے بصر ہو تو یہ مانع نگاہ بھی ہے
وگرنہ آگ ہے مومن، جہاں خس و خاشاک
زمانہ عمتل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ
کے خیر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک
جہاں تمام ہے میراثِ مردِ مومن کی
میرے کلام پہ حجت ہے نکتہ کو لالہ

﴿ ۴۷ ﴾

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ
یک رنگی و آزادی اے ہمتِ مردانہ

یا سخرِ طغرل کا آئینِ جہانگیری
یا مردِ قلندر کے اندازِ ملوکانہ
یا حیرتِ فارابی، یا تاب و تبِ رومی
یا فکرِ حکیمانہ، یا جذبِ کلیمانہ
یا عمتل کی رو باہی، یا عشقِ یدِ اللہ ہی
یا حیلہٴ افرنگی، یا حملہٴ ترکانہ
یا شرعِ مسلمان، یا دیر کی درباری
یا نصرہٴ مستانہ، کعبہ ہو کہ بت خانہ
میری میں، فقیری میں، شاہی میں، غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا بے جرأتِ زندانہ

﴿ ۴۸ ﴾

نہ تخت و تاج میں، نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو باتِ مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیفہ
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں، جو تری نگاہ میں ہے
مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا
وہ مشیتِ خاک! بھی آوارگانِ راہ میں ہے

خبر ملی ہے خدا یان بحر و بر سے مجھے !
 فرنگ رکھڑ سیل بے پنہا میں ہے !
 تلاش اس کی فضاؤں میں کر نصیب اپنا
 جہان تازہ مری آہ صبح گاہ میں ہے !
 مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
 نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خالقہ میں ہے

﴿ ۴۹ ﴾

فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشہ چالاک !
 رکھتی ہے مگر طاق پر واز مری خاک
 وہ خاک، کہ ہے جس کا جنوں صیقل ادراک
 وہ خاک، کہ جبرلی کی ہے جس سے قبا چاک
 وہ خاک، کہ پرواے نشیمن نہیں رکھتی !
 چلتی نہیں پہناے چمن سے خس و خاشاک
 اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
 کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرفناک

﴿ ۵۰ ﴾

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
 مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد !

یہ مدرسہ، یہ جواں، یہ سرور و عنائی
 انھیں کے دم سے ہے میخانہ فرنگ آباد !
 نہ فلسفی سے نہ ملا سے ہے غرض مجھ کو !
 یہ دل کی موت ! وہ اندیشہ و نظر کا فساد !
 فقیر شہر کی تحقیر ! کیا محال مری !
 مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد
 خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرت پرویز
 خدا کی دین ہے سرمایہ عنیم فرہاد !
 کیے ہیں فاش، رموزِ قلندر می میں نے
 کہ فکر مدرسہ و خافتاہ ہو آزاد !
 رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا ظلم
 عصانہ ہو تو کلیسیا ہے کارِ بے بنیاد

﴿ ۵۱ ﴾

کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی
 گستاخ ہے کرتا ہے فطرت کی جنابندی
 خاکی ہے مگر اس کے انداز میں افلاکی
 رومی ہے، نہ شامی ہے، کاشمی نہ سمرقندی
 سکھلائی فرشتوں کو آدم کی تڑپ اس نے
 آدم کو سکھاتا ہے آدابِ خداوندی

۵۲

نے مہرہ باقی، نے مہرہ بازی
جیتا ہے رومی، ہارے رازی!
روشن ہے جام جمشید اب تک
شاہی نہیں ہے بے کشیشہ بازی
دل ہے مسلمان میسرانہ تیرا
تو بھی نمازی، میں بھی نمازی
میں جانتا ہوں انجام اس کا
جس معرکے میں ملا ہوں غازی
ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں
حرف محبت، ترکی نہ تازی
آزر کا پیشہ خوار تراشی
کار خلیفہ لاں خارا گدازی!
تو زندگی ہے، پایندگی ہے!
باقی ہے جو کچھ سب خاک بازی

۵۳

گرم فغاں ہے جس اٹھ کہ گیا قاف
دلے وہ رہے کہ ہے منتظر راحلہ!
تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور
تیرے موافق نہیں خافقی سلسلہ!!
دل ہو غلام خرد یا کہ امام خرد!
سالک رہ ہو شیار! سخت ہے یہ مرحلہ
اس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں اسیر
گردشِ دوراں کا ہے جس کی زباں پر گلہ

تیرے نفس سے ہوئی آتش گل تیز تر!
مُرخ چمن! ہے یہی تیسری نوا کا صلہ!

۵۴

مری نوا سے ہوئے زندہ عارف و عامی!
دیا ہے میں نے انہیں ذوق آتش آشامی
حرم کے پاس کوئی عجیبی ہے زمزمہ سنج
کہ تار تار ہوئے حبابہ ہائے حسامی!
حقیقت ابدی ہے مقام شبیری!
بدلتے رہتے ہیں انداز کوئی و شامی!
مجھے یہ ڈر ہے مقامِ مرہیں سنجہ کار بہت
نہ رنگ لائے کہیں تیرے ہاتھ کی خامی!
عجب نہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کر دیں
شکوہِ سنجر و فقر جنید و بسطامی!
قبائے علم و ہنر لطفِ خاص ہے ورنہ
تیری نگاہ میں تھی میسری ناخوش اندامی

۵۵

ہر اک مقام سے آگے گذر گب مر نو
کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تگ و دو

نفس کے زور سے وہ غسچہ وا ہوا بھی تو کیا
جسے نصیب نہیں آفتاب کا پُر تو
نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی
کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو
پنپ سکا نہ خمیا باں میں لالہ دل سوز
کہ سازگار نہیں یہ جہاں گندم وجو
رہے نہ ایک وغوری کے معر کے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نعمہ رخسرو!

۵۶

کھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب ہوش
اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فردا ہے نہ دوش
کس کو معلوم ہے ہنگامہ فردا کا مقام
مسجد و مکتب و مئے خانہ ہیں مدت سے خموش
میں نے پایا ہے اسے اشکِ سحر گاہی میں!
جس دُرِ ناب سے خالی ہے صدف کی آغوش
نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجت گلگونہ فروش
صاحب ساز کو لازم ہے کہ غافل نہ رہے
گا ہے گاہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سروش

۵۷

تھا جہاں مدرسہ شیری و شاہنشاہی
آج ان خانقہوں میں ہے فقط رو باہی!
نظر آئی نہ مجھے قافلہ سالاروں میں
وہ شہابی کہ ہے تہیہ دِ کلیم اللہی!
لذتِ نعمت کہاں مرغِ خوش الحان کیلئے
آہ! اس باغ میں کرتا ہے نفس کوتاہی
ایک مرستی و حیرت ہے سراپا تار یک!
ایک مرستی و حیرت ہے تمام آگاہی!
صفتِ برق چمکتا ہے مرا فکِ بلند
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمتِ شب میں راہی!

۵۸

ہے یاد مجھے نکتہٴ سلمانِ خوش آہنگ
دُنیا نہیں مروانِ جفاکش کے لیے تنگ
چیتے کا جگر چاہیے، شاہیں کا تجسس!
جی سکتے ہیں بے روشنی دانش و فرہنگ

﴿ ۶۰ ﴾

کمال جوش جنوں میں رہا میں گرم طواف
خدا کا شکر سلامت رہا حرم کا غلاف
یہ اتفاق مبارک ہو مومنوں کے لیے
کہ یک زباں ہیں فقیہان شہر میرے خلاف
تڑپ رہا ہے فلاطوں میں ان غیب و حضور
ازل سے اہل خسرو کا مقام ہے اعراف
ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی، نہ صاحب کشاف
سُور و سوز میں ناپایدار ہے، ورنہ
مے فرنگ کا تہ جبرم بھی نہیں نامف

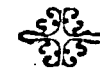
﴿ ۶۱ ﴾

شعور و ہوش و خسرو کا معاملہ ہے عجیب
مقام شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب
میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب
اگرچہ میرے نشیمن کا کر رہا ہے طواف
مری نوا میں نہیں طائر چمن کا نصیب!

کر ببل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
ببل فقط آواز ہے، طاؤس فقط رنگ

﴿ ۵۹ ﴾

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ!
فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ
علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد!
فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ
علم فقیہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم
علم ہے جو یارے راہ، فقر ہے دانائے راہ
فقر مقام نظر، علم مقام خبر!
فقر میں مستی ثواب، علم میں مستی گناہ
علم کا، موجود، اور، فقر کا، موجود، اور
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ
دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیری نگہ توڑ دے آئینہ، مہر و ماہ



سنا ہے میں نے سخن رس ہے ترک عثمانی!
 سنا ہے کون اسے اقبال کا یہ شعر غریب
 سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جو اپنا
 ستارے جن کے نشیمن سے ہیں زیادہ قریب



قطع

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
 شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
 یادِ سعتِ افلاک میں تکیہ بر سلسل!
 یا خاک کے سہوِ شش میں تیغ و مناجات!
 وہ مذہب مردانِ خود اس گاہ و خدا مست!
 یہ مذہب نژادِ جہاد است و نباتات!



رباعیت

رہ در رسمِ حرمِ نامحسوسانہ
 کلیف کی ادا سوداگرانہ
 تبرک ہے مرا پسیرِ ابنِ چاک
 نہیں اہلِ حبسہ اکابرِ زمانہ



ظلامِ بحیر میں کھو کر سنہل جا
 تڑپ جا تیج کھا کھا کر بدل جا
 نہیں ساحلِ تری قسمت میں کس موج
 ابھر کر جس طرف چاہے نکل جا!



مکانی ہوں کہ آزادِ مکاں ہوں
 جہاں میں ہوں کہ خود سارِ جہاں ہوں
 وہ اپنی لامکانی میں رہیں مست
 مجھے اتنا بتادیں میں کہاں ہوں



خودی کی خسوتوں میں گم رہا میں
خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں
نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر جلوہ دوست
قیامت میں تماشا بن گیا میں



پریشاں کاروبار آشنائی !
پریشاں ترمری رنگیں نوائی
کبھی میں ڈھونڈتا ہوں لذت وصل
خوش آتا ہے کبھی سوزِ جدائی !



عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے
حرم کا رازِ توحیدِ انجم ہے
تہی وحدت سے ہے اندیشہِ مغرب
کہ تہذیبِ فرنگی بے حرم ہے



کوئی دیکھے تو میری نئے نوازی !
نفسِ ہندی، مقامِ نغمہ تازی !
نغمہ آلودہ اندازِ افسرنگ
طبیعتِ غزنوی، قسمتِ ایزی !

ہر اک فزہ میں ہے شاید کیسِ دل !
اسی جلوت میں ہے خلوتِ نشیں دل
اسیرِ دوش و فردا ہے و لیکن
غلامِ گردشِ دوراں نہیں دل



نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری !
رہا صوفی گئی روشن صنیری !
خدا سے پھر وہی قلبِ نظر مانگ
نہیں ممکن امیری بے فیکری !



نگہ الجھی ہوئی ہے رنگِ دُلوں
خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں !
نہ چھوڑے دلِ فغانِ صبحا ہی !
اماں شاید ملے اللہ ہو میں !



ترا اندیشہِ افلاکی نہیں ہے
ترے پروازِ لولاکی نہیں ہے
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
ترے آنکھوں میں بیباکی نہیں ہے



خودی کی خسوتوں میں مصطفائی
خودی کی خسوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی



جہاں عشق و مستی نے نوازی!
جہاں عشق و مستی بے نیازی
کمال عشق و مستی طرف حیدر
زوال عشق و مستی حرفِ رازی!



وہ میرا رونقِ محفل کہاں ہے
مری بجلی مرا حاصل کہاں ہے
مقامِ اس کا ہے دل کی خلوتوں میں
خدا جانے مقامِ دل کہاں ہے



سوارِ ناقہ و محفل نہیں میں
نشانِ جادہ ہوں منزل نہیں میں
مری تقدیر ہے خاشاکِ سوزی
فقط بجلی ہوں میں، حاصل نہیں تیر



تیرے سینے میں دم ہے، دل نہیں
ترا دم گرمی محفل نہیں
گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نو
چراغِ راہ ہے، منزل نہیں



ترا جوہر ہے نوری، پاک ہے تو
فروغِ دیدہ افساک ہے تو
ترے صیدِ زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تو



مجت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدے بے وق
کہ جذبِ اندر دل باقی نہیں ہے



خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقامِ رنگِ بو کا راز پا جا
برنگِ بحرِ ساحلِ آشنارہ
کفِ ساحل سے دامن کھینچتا جا



چمن میں رختِ گلِ شبنم سے تر ہے
سمن ہے، سبزہ ہے، بادِ بحر ہے
مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم
یہاں کا لالہ بے سوزِ جگر ہے



خرد سے رام و روشن بصر ہے
خرد کیا ہے، چراغِ رگدڑ ہے
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغِ رہگذر کو کیا خبر ہے



جوانوں کو مری آہِ سحر ہے
پھران شاہین بچوں کو بالِ پردے
خدا یا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرتِ عام کر دے



تری دنیا جہاں مُرغ و ماہی!
مری دنیا افغانِ صبحگاہی!
تری دنیا میں میں محکوم و مجبور
مری دنیا میں تیری پادشاہی!



کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں!
غلامِ طغیٰ و سخر نہیں میں
جہاں بسینی مری فطرت لیکن
کسی حبشید کا ساغر نہیں میں



وہی اصل مکان و لا مکاں ہے
مکاں کیا شے ہے؟ اندازِ بیاں ہے
خضر کیوں کرتاے کیا بتائے
اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے



کبھی تنہائی کوہ و دہنِ عشق!
کبھی سوز و سرور و سخنِ عشق!
کبھی سرمایہ محراب و منبر!
کبھی مولا علی خیرِ سخنِ عشق



کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہِ شہاں نوشیر و آلِ عشق
کبھی میل میں آتا ہے زرق و برق
کبھی عریان و بے تیغ و نالِ عشق

عطا اسلاف کا جذبہ زول کر
شریکِ زمرہ لا یخزنون، کر
خسرو کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر



یہ نکلتے میں نے سیکھا بواحسن سے
کہ جاں مرقی نہیں مرگِ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی
اگر بسینار ہو اپنی کرن سے!



خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے
خرد بسینار دل سے دل خرد سے



خدائی اہتمام خشک و تر ہے
خداوندِ خدائی دردِ سر ہے
و لیکن بندگی استغفر اللہ
یہ دردِ سر نہیں دردِ جگر ہے!



یہی آدم ہے سلطانِ بحر و بر کا؟
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود میں نے خدا میں کجماں میں
یہی شہ کار ہے تیرے ہنر کا؟



دم عارف نسیم صبح دم ہے!
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے مینر
شبانی سے کلیسی دو قدم ہے



رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و تبر بانی و حج!
یہ سب باقی ہے تو باقی نہیں ہے



کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی
گیا دورِ حدیثِ لن ترا نی
ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار
وہی مہدی، وہی آخر زمانی!



زمانے کی یہ گردش جادو دانہ
حقیقت ایک تو، باقی فسانہ
کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فرد
فقط امروز ہے تیسرا زمانہ



حکیمی نامسلمانی خودی کی
کلیسی رمزِ نہانی خودی کی
تجھے گرفتِ و شاہی کا تبادول
غریبی میں نگہبانی خودی کی



ترا تن روح سے نا آشنا ہے
عجب کیا آہ تیری نارِ سا ہے
تن بے روح سے بزار ہے حق!
خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے



قطعہ

اقبال نے کل اہلِ خیاں کو سنایا!
یہ شعرِ نشاط آورد پر سوز و طربِ سنگ
میں صورتِ گلِ دستِ صبا کا نہیں محتاج!
کرتا ہے مراجعِ شجنوں میری قبا چاک





دُعا

(مسجدِ قرطبہ میں لکھی گئی)

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
صحبتِ اہلِ صفا، نور و حضور و سرور
سرخوش و پُر سوز ہے لالہ لبِ آبِ جُ
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رشتہ
ساتھ مرے رہ گئی، ایک مری آرزو
میرا نشیمن نہیں درگاہِ میر و وزیر!
میرا نشیمن بھی تو، شاخِ نشیمن بھی تو
تجھ سے گریباں مرا مطلع صبحِ نشور
تجھ سے مرے سینے میں آتشِ اللہ ہو

تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ!
تو ہی مری آرزو، تو ہی مری جستجو!
یاس اگر تو نہیں، شہر ہے ویراں تمام
تو ہے تو آباد میں اُجڑے ہوئے کاخ و کو!
پھر وہ شرابِ کھن مجھ کو عطا کر، کہ میں
ڈھونڈ رہا ہوں اسے توڑ کے جام و سُبُو!
چشمِ کرم ساقیا، دیر سے ہیں منتظر
جلوتیوں کے سُبُو، خلوتیوں کے کدو!
تیری خدائی سے ہے میرے جنوں کو گلہ
اپنے لیے لامکاں میرے لیے چار سُو!
فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا!
حرفِ تمنا جسے کہہ نہ سکیں رُو بُرو!



مسجدِ قرطبہ

(ہسپانیہ کی سرزمین بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)

سلسلہ روز و شب، نقشِ گرِ حادثات
سلسلہ روز و شب، اصلِ حیات و ممات

سلسلہ روز و شب، تارِ حیرِ دردِ رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قباے صفات
سلسلہ روز و شب، سازِ ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیرِ دمِ ممکنات
تجھ کو پرکھتا ہے یہ، مجھ کو پرکھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب، صیغہ فی کائنات
تو ہوا اگر کم عیار، میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات، موت ہے میری برات
تیرے شبِ دروز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو، جس میں نہ دن ہے نہ رات
آتی و فانی تمام معجزہ ہاے بشر
کارِ جہاں بے ثبات، کارِ جہاں بے ثبات

اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو، منزلِ آخر فنا!

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام
مردِ خدا کا عملِ عشق سے صاحبِ فروغ
عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اُس پر حرام

شد و سبک سیر ہے گرجہ زمانے کی رو!
عشق خود اک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تمام
عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دمِ جبریل، عشق دلِ مصطفیٰ!
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گلِ تابناک
عشق ہے صبا کے خام، عشق ہے کاسِ الکرام
عشق فقیہِ حرم، عشق امیرِ جنود!
عشق ہے ابنِ اسبیل، اس کے ہزاروں مقام

عشق کے مضراب سے نغمہ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات، عشق سے تارِ حیات

اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا صرف و صوت
معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود!
قطرہ خونِ جگر، سل کو بناتا ہے دل
خونِ جگر سے صدا سوزد سرور و سرود

تیری فضا دلِ فسروز، میری نواستینہ سوز
 تجھ سے دلوں کا حضور، مجھ سے دلوں کی کشود
 عرشِ معالیٰ سے کم سینہ آدم نہیں
 گرچہ کفِ خاک کی حد ہے سپہرِ کبود !
 پیکرِ نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
 اس کو میسر نہیں سوز و گدازِ سجود
 کافرِ ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق
 دل میں صلوٰۃ و درود، لب پہ صلوٰۃ و درود

شوقِ مری لے میں ہے، شوقِ مری لے میں ہے
 نعمۃ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے

تیرا جلال و جمال، مردِ خدا کی دلیل !
 وہ بھی جلیل و جمیل، تو بھی جلیل و جمیل !
 تیری بنا پادار، تیرے ستوں بے شمار
 شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجومِ نخیل !
 تیرے در و بام پر وادیِ ایمن کا نور !
 تیرا منار بلند جلوہ گہ جب ریل
 مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلمان کہ ہے
 اس کی اذانوں سے فاشِ شرِ کلیم و خلیل

اس کی زمیں بے حدود، اس کا افق بے ثغور
 اس کے سمندر کی موج، دجلہ و نیوب و نیل
 اس کے زمانے عجیب، اس کے فضا نے غریب
 عہدِ کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل !
 ساقیِ اربابِ ذوق، فارسِ میدانِ شوق !
 بادہ ہے اس کا رقیق، تیغ ہے اس کی صیل

مردِ سپاہی ہے، وہ اس کی زرہ آلالہ
 سایہ شمشیر میں اس کی پنہ آلالہ

تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کا راز !
 اس کے دنوں کی تیش، اس کی شبوں کا گداز
 اس کا مقام بلند، اس کا خیالِ عظیم
 اس کا سرورِ اس کا شوق، اس کا نیاز اس کا ناز
 ہاتھ ہے اللہ کا، بندہ مومن کا ہاتھ !
 غالب و کارِ آفریں، کارِ کشا، کار ساز
 خاکی و نوری نہاد، بندہ مولا صفات
 ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دل بے نیاز
 اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
 اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز

آج بھی اس دیس میں عام ہے چشمِ غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

بوئے مین آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
زنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں آسماں!
آہ! کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذال
کون سی وادی میں ہے، کون سی منزل میں ہے
عشقِ بلاخیز کا قافلہ سخت جال!
دیکھ چکا المنی، شورشِ اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقشِ کہن کے نشاں!
حرفِ غلط بن گئی عصمتِ پیرِ کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتی نازک رواں
چشمِ فرانیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگرگوں ہوا مغربوں کا جہاں
ملتِ رومی نثرِ اکمنہ پرستی سے پیر
لذتِ تحب دیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر حواں
روحِ سماں میں ہے آج وہی اضطراب
رازِ خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو!
رزم ہو یا نرم ہو، پاک دل و پاکباز
نقطۂ پرکارِ حق، مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالمِ مہم و مہم و طلسم و محباز

عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ

حلقۂ آفاق میں گرمی محفل ہے وہ

کعبۂ اربابِ فن! سطوتِ دینِ مبین
تجھ سے حرمِ مرتبت اندھیوں کی زمیں
ہے تیر گردوں اگر حُسن میں تیسری نظیر!
قلبِ مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردانِ حق! وہ عربی شہسوار
حاملِ "خلقِ عظیم"، صاحبِ صدق و یقیں
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ دمِ مغرب
سلطنتِ اہلِ دل فقر ہے، شاہی نہیں!
جن کی نگاہوں نے کی تربیتِ شرق و غرب
ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی خسرو راہ ہیں
جن کے لبو کی طفیل آج بھی ہیں اندسی
خوش دل و گرم خستِ لاط، سادہ و روشن جبین!

دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا!
گنبدِ نیلوفرِ رنگ بدلتا ہے کیا!

وادی کہسار میں غرقِ شفق ہے سحاب
معلّٰی بدخشیاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
سادہ و پُر سوز ہے دختِ دیہات کا گریخت
کشتیِ دل کے لیے سیل ہے عہدِ شباب
آبِ روانِ کبشیر! تیرے کنا سے کوئی!
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب!
عالمِ نو ہے ابھی پردہٴ تقدیر میں!
میری نگاہوں میں ہے اسکی سحر بے حجاب
پردہ اٹھا دوں اگر چہرہٴ افکار سے!
لانہ سکے گا فرنگِ میری نواؤں کی تاب
جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
روحِ اُمم کی حیات کشمکشِ انقلاب
صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زمانا اپنے عمل کا حساب

۱۔ درالیکبر، قریطہ کا مشہور دریا جس کے قریب ہی مسجد قریطہ واقع ہے۔

نقش میں سب نام تمام خونِ جگر کے بغیر!
نغمہ ہے سوداے خام خونِ جگر کے بغیر!



قیدخانہ میں معتمد کی فریاد

معتمد اشبیلیہ کا بادشاہ اور عربی شاعر تھا۔ سپانیہ کے ایک حکمران نے اسکو شکست دیکر
قید میں ڈال دیا تھا۔ معتمد کی نقلیں انگریزی میں ترجمہ ہو کر ڈوڈم آف دی ایٹ سیریز میں شائع ہو
چکی ہیں

اک فغانِ بے شہر سینے میں باقی رہ گئی
سوز بھی رخصت ہوا جاتی رہی تاثیر بھی
مردِ حُر زنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
میں پشیاں ہوں پشیاں ہے مری تدبیر بھی
خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے دل
تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی
جو مری تیغِ دودم تھی، اب مری زنجیر ہے
شوخی و بے پرواہی کتنا خالقِ تقدیر بھی!

ہے سوزِ دروں سے زندگانی اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ
صبحِ غربت میں اور چپکا! ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ
مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے!
مومن کا مقام ہر کہیں ہے!



ہسپانیہ

(ہسپانیہ کی سرزمین لکھے گئے) (دلپس آتے ہوئے)

ہسپانیہ تو خونِ مسلمان کا ایس ہے!
مانندِ حرمِ پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنائیں
خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں!
پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنہ کی؟
باقی ہے ابھی رنگِ مرے خونِ حبِ گرین

عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پید اور خیرت

سرزمینِ اندلس میں

یہ اشعار جو عبدالرحمن اول کی تصنیف سے ہیں، تاریخِ المقری میں درج ہیں مندرجہ ذیل اُفقِ نظم
کا آزاد ترجمہ ہے (درختِ مذکور منیۃ الزہر میں بویا گیا تھا۔)



میری آنکھوں کا نور ہے تو میرے دل کا سرور ہے تو
اپنی وادی سے دور ہوں میں میرے لیے نخلِ طور ہے تو
مغرب کی ہوائے تجھ کو پالا صحراے عرب کی خور ہے تو
پردیس میں ناصبور ہوں میں پردیس میں ناصبور ہے تو
غربت کی ہوا میں بارور ہو
ساقی تیرا غم سحر ہو
عالم کا عجیب ہے نظارہ دامنِ نگہ ہے پارہ پارہ
ہمت کو شناساوری مبارک پیدا نہیں بحر کا کنارہ

کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلمان
 مانا وہ تب و تاب نہیں اس کے شر میں
 غرناطہ بھی دیکھا مری آنکھوں نے، ویسکن
 تکیں مسافر نہ سفر میں نہ، حضر میں!
 دیکھا بھی دکھایا بھی، سُنایا بھی سُنایا بھی
 ہے دل کی تسلی نہ نظر میں، نہ خبر میں!



طارق کی دُعا

(اندلس کے میدانِ جنگ میں)



یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے
 دو نیم، ان کی ٹھوکر سے صحرا دور
 دوعالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
 شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
 جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدا
 سمٹ کر پہاڑ ان کی ہدایت راہ
 عجب چیز ہے لذتِ آشنا
 نہ مالِ غنیمت، نہ کشورِ کشا
 خیاباں میں ہے منتظرِ لاکھ کسے
 قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے

کیا تو نے صحرا نشینوں کو بکتا!
 طلبِ حب کی صدیوں سے تھی زندگی کو
 کشتادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
 دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
 خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں!
 وہ سوز اس نے پایا انھیں کے جگر میں
 ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں
 وہ بجلی کہ تھی نعرہ لا تَدْر میں
 عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
 نگاہِ مسلمان کو تلوار کر دے



لبین

(خدا کے حضور میں)

اے نفس و آفاق میں پیدا ترے آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائیدہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
 محرم نہیں فطرت کے سرودِ ازلی سے
 بینکے کو اکب ہو کہ دانا سے نباتات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
 میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات

ہم بندِ شبِ دروز میں جکڑے ہوئے بندے
تو خالقِ اعصار و نگارندہ آسمات !
اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں !
حل کرنے کے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیسا خیمہ افلاک کے نیچے
کانٹے کی طرح دل میں کھسکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود ؟
وہ آدمِ خاکی کہ جو ہے زیرِ سموات ؟
مشرق کے خداوندِ سفیدانِ فرنگی
مغرب کے خداوندِ درخشندہ فلذات !
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
عرفانیِ تعمیر میں، رونق میں، صفائیں
گر جوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات !
ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت !
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات

بیکاری و سرمایہ دہیِ خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگیِ مدنیت کے فتوحات ؟
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موتِ مشینوں کی حکومت
احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات !
آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شطرنج نے کیا مات
میخانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل !
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات
چہروں پہ جو سُرخِ نظر آتی ہے شرم
یا غمازہ ہے یا ساغرِ مینا کی کرامات
تو فسادِ دروغا دل ہے، مگر تیرے جہاں میں
میں تلخ بہت بندہٗ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ ؟
دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکانات !



گر ماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے !
 کُنچشکبِ فردا یہ کوشائیں سے لڑا دو
 سلطانِ جمہور کا آتما ہے زمانہ !
 جو نقشِ کہنِ تم کو نظر آئے مٹا دو
 جس کھیت سے دہقان کو میسر نہیں روزی
 اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو
 کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پرے
 پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
 حق را بسجودے صماں را بطوائف
 بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجھا دو
 میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
 میسر لیے مٹی کا حرم اور بنا دو
 تہذیبِ نئی کا رگہ شیشہ گراں ہے !
 آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سکھا دو



فرشتوں کا گیت

عقل ہے بے زمام ابھی، عشق ہے بے مقام ابھی
 نقشِ گرازلِ ترا نقش ہے نامِ تمام ابھی
 خلقِ خدا کی گھات میں زند و فقیہ میسر ویر
 تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبحِ شام ابھی
 تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست
 بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بلند بام ابھی
 دانش و دین و علم و فن بندگی ہو س تمام
 عشقِ گرہ کشاے کافِ فیض نہیں ہے عام ابھی
 جو ہر زندگی ہے عشق، جو ہر عشق ہے خودی
 آہ کہ ہے یہ تیغِ تیز پردگیِ نیام ابھی

فرمانِ خدا

(فرشتوں سے)

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو !
 کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو !

ذوق و شوق

(ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے)

دریغ آدمِ نالِ ہمہ بوستان تہی دستِ رفقِ سوئے دوستان

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں !
سُخِ ازل کی ہے نمود، چاک ہے پردہ وجود
دل کے لیے ہزارِ سود، ایک نگاہ کا زیاں
سُرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گئی سحابِ شب !
کوہِ اہم کو دے گیا رنگِ بزمِ طیلساں !
گرد سے پاک ہے ہوا، برگِ نخیل دھل گئے
ریگِ نواح کا ظمہ نرم ہے مثلِ پرنیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے میں کتنے کارواں

آئی صدائے جبریل تیرا مقام ہے یہی
اہلِ فراق کے لیے عیشِ دوام ہے یہی

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
کہنہ ہے بزمِ کائنات، تازہ ہیں میرے واردات
کیا نہیں اور غمِ زنوی کارِ گہ حیات میں !
بیٹھے ہیں کب سے منتظرِ اہلِ حرم کے سونات
ذکرِ عرب کے سوز میں، فکرِ عجم کے ساز میں
نئے عربی مشاہدات، نئے عجمی تخیلات !
فتافلہٗ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات
عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدہٗ تصورات

صدقِ خلیل بھی ہے عشقِ صبرِ حسین بھی ہے عشق
معرکہٗ وجود میں بدرِ حسین بھی ہے عشق

آئیہ کائنات کا معنی دیرِ یاب تو !
نکلے تری تلاش میں قافلہٗ ہائے رنگ و بو !
حبِ دنیانِ مدرسہ کو رنگاہ و مُردہ ذوق
خسرو تیانِ میکہ کم طلب و تہی کدو !
میں، کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

بادِ صبا کی موج سے نشوونما سے خارِ خوش
میرے نفس کی موج سے نشوونما سے آرزو
خونِ دل دجگر سے ہے میری نوا کی پرورش
سے رگ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو

فرصتِ کشمکشِ مدہِ ایں دلِ بے قرار را
یک دوشکن زیادہ کن کیسوتے مابدار را

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجودِ الکتاب
گنبدِ آجینہ رنگ تیرے محیط میں حجاب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہِ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سخنِ سرسیم، تیرے حلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید، تیرا جمال بے نقاب
شوقِ ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب! میرا سجد بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے!
عقل، غیب و جستجو، عشق، حضور و اضطراب

تیرے وتار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تازہ کر حبوہ بے حجاب سے

تیری نظریں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علمِ نخیل بے رطب
تازہ مرے صنیر میں معرکہ کہن ہوا
عشقِ تمامِ مصطفیٰ! عقلِ تمامِ بولہب
گاہِ بحیدہ می برد، گاہِ بزور می کشد!
عشق کی ابتدا عجب! عشق کی انتہا عجب
عالمِ سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگِ آرزو! ہجر میں لذتِ طلب
عینِ وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب

گرمیِ آرزو و فراقِ اشوَرش لے و ہو فراق
موج کی جستجو فراقِ قطرہ کی آبرو و فراق





پروانہ اور جگنو

پروانہ

پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جگنو
کیوں آتش بے سوز پہ مغرور ہے جگنو

جگنو

اند کا سوشکر، کہ پروانہ نہیں میں
دریوزہ گر آتش بیگانہ نہیں میں



جاوید کے نام

خودی کے ساز میں ہے عمر حب وداں کا سراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ

یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحب مقصود!
ہزار گونہ فسوخ و ہزار گونہ فسارغ
ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی!
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ
حمیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ
ٹھہر سکا نہ کسی خانقاہ میں اقبال
کہ بے ظریف و نحوش اندیشہ و شگفتہ دماغ



گدائی



میسکدے میں ایک دن اک زندہ زیرک نے کہا
ہے ہمارے شہر کا والی گداے بے حیا
تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اُسے
کس کی عریانی نے بخش ہے اسے زریں قبا
اس کے آبِ لالہ گوں کی خون دھواں سے کشید
پتھرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیا

دین و دنیا

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی؛ سماقی کہاں اس فقیری میں میری
 خصوصیت تھی سلطانی دراہی میں کہ وہ سر بلندی ہے یہ سر زبری
 سیاست مذہب سے پیچھا چھڑا یا چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
 ہوئی دین دولت میں جس دم جدائی ہو س کی امیری، ہو س کی فزیری
 دوئی ملک دیں کے لیے نامزدی دوئی چشم تہذیب کی نابصیری
 یہ عجاز ہے ایک صحرائیں کا بشیری ہے آئینہ دار زبیری

اسی میں حفاظت، انسانیت کی
 کہ ہوں ایک جنسیدی وار و شیریں



الارض للہ

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟
 کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟

اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
 دینے والا کون ہے؛ مردِ غریب و بے نوا!
 مانگنے والا گدا ہے؛ صدقہ مانگے یا خراج
 کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطان سب گدا!

(ماخوذ از انوری)



مُلا اور بہشت

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبط سخن کرنے کا
 حق سے جب حضرت مُلا کو بلا حکم بہشت
 عرض کی میں نے الہی مری تقصیر معاف
 خوش نہ آئیں گے اسے خور و شراب و لب کشت
 نہیں فر دوس مقامِ جہل و قاتل و اقول!
 بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی مشرت
 ہے بد آموزی اقوام و ملل کا مہم اس کا
 اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا، نہ کنشت



کون لایا کھینچ کر بچپس سے بادِ سازگار؟
خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب؟
مومنوں کو کس نے سکھائی ہے خوئے انقلاب؟

وہ خدایا! یہ زمیں تیری نہیں، تیری نہیں!
تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں، میری نہیں!



ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے میں افرنگی، ترے قسائیں میں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی!
امارت کیا، شکوہ خسروی بھی ہو، تو کیا حاصل؟
نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنا سے سلمانی

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں!!
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزلِ آسمانوں میں
نہ ہو نومید، نومید ہی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں!

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر!
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں



نصیحت

بچہ، شاہیں سے کہتا تھا عفتِ سالِ خورد
اے ترے شہپر پہ آساںِ رفعتِ چرخِ بریں
بے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام!
سخت کوششی سے ہے تلخِ زندگانی انگبیں

جو کبوتر پر چھپنے میں مزا ہے اے پسر!
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں!



لالہ صحرا

یہ گنبدِ مینائی! یہ عالمِ تنہائی!
محب کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پہنائی
بھٹکا ہوا لڑھی میں، بھٹکا ہوا راہی تو!
منزل ہے کہاں تیری اے لالہ صحرائی!
خالی ہے کلیوں سے یہ کوہ و کمرور نہ
تو شعلہ سینیائی، میں شعلہ سینیائی
تو شاخ سے کیوں پھوٹا، میں شاخ سے کیوں ٹوٹا
اک جذبہ پیدائی! اک لذت یکتائی
غواصِ محبت کا اللہ نگہباں ہو!
ہر قطرہ دریا میں، دریا کی ہے گہرائی
اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اٹھی، لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

ہے گرمیِ آدم سے ہنگامہ عالم گرم
سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی!
اے بادِ بیابانی، مجھ کو بھی عنایت ہو
خاموشی و دل سوزی، سسرتی و رعنائی!



ساتی نامہ

ہوا خیمہ زن کا روانِ بہار!
گل و زنگس و سوسن و نستر!
جہاں چھپ گیا پردہ رنگ میں
فضائیلی نیلی، ہوا میں سرور
وہ جوئے کستاں اچھلتی ہوئی
اچھلتی، پھسلتی، ہنبھلتی ہوئی
رکے جب تو رسل چیر دیتی ہے یہ
نرا دیکھ اے ساتی لالہ فام
دے مجھے وہ مے پردہ سوز
اے جس سے روشن ضمیر حیات
ارم بن گیا دامن کوہسار!
شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن!
لہو کی ہے گردشِ رگِ سنگ میں
ٹھہرتے نہیں اشیاں میں طیور
اٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی!
بڑے پیچ کھسکا کر نکلتی ہوئی
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
ساتی ہے یہ زندگی کا پیام
کہ آتی نہیں فصلِ گل روزِ روز
وہ مے جس سے ہے سستی کائنات!

وہ مے جس میں ہے سوز و رازِ رازل وہ مے جس سے کھتا ہے رازِ رازل
اٹھا سا قیام پر وہ اس راز سے !

لڑا دے مو لے کو شہباز سے

زمانے کے انداز بدلے گئے ! نیا راگ ہے ساز بدلے گئے
ہوا اس طرح فاش رازِ فرنگ کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ
پرانی سیاست گری خوار ہے زمیں میروسلطاس سے بزار ہے
گیا دورِ سرمایہ داری گیا تماشا دکھا کر ملاری گیا !
گراں خواب چینی سنبھلنے لگے ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے
دلِ طورِ سینا دفنِ اراںِ دو نیم تجبلی کا پھر منتظر ہے کلیم
مسلمان ہے توحید میں گر مجوش مگر دل ابھی تک ہے زنا پر پوش
متن، تصوف، شریعتِ کلام بتانِ عجم کے سچا رہی مہم
حقیقتِ خرافات میں کھو گئی یہ اُمت روایات میں کھو گئی
بھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب مگر لذتِ شوق سے بے نصیب
بیاں اس کا منطق سے سبھا ہوا لغت کے بکھیروں میں الجھا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد محبت میں بیکت، حمیت میں فدا
عجم کے خیالات میں کھو گیا یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلمان نہیں را کھ کا ڈھیر ہے

شرابِ کہن پھر پلاس قیا ! وہی جامِ گردش میں لاس قیا
مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا مری خاکِ جگنو بن کر اڑا

خسرد کو غلامی سے آزاد کر جوانوں کو پیروں کا استاد کر
ہری شلخِ ملت ترے نم سے ہے نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے
تڑپنے پھٹکنے کی تو فسیق دے دل مرتضیٰ سوزِ صدیق دے
جگر سے وہی تیسرے پھر پار کر ! تمنا کو سینوں میں بیدار کر !
ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر ! زمینوں کے شبِ زندہ داروں کی خیر !
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے مرا عشق، میری نظرِ بخش دے
مری ناؤ گرداب سے پار کر ! یہ ثابت ہے تو اس کو ستیا کر !
بتا محب کو اُسرارِ مرگ و حیات کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات
مرے دیدہ تر، کی بے خوابیاں مرے نالہ نیم شب کا نیاز
امنگیں مری، آرزوئیں مری مری غزلانِ افکار کا مرغزار
مری فطرتِ آئینہ روزگار لگمانوں کے شکرِ یقیں کا ثبات
مراد، مری رزمِ گاہِ حیات ! اسی سے فیکری میں ہوں میں امیر
یہی کچھ ہے ساقی متلِخِ فقیر ! مرے قافلے میں لٹا دے اے
لٹا دے ! ٹھکانے لگا دے اے

دما دم رواں ہے یمِ زندگی ! ہر اک شے سے پیدا یمِ زندگی !
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ دُود
گراں گرچہ ہے صحبتِ آب و گل خوش آئی اُسے سختِ آب و گل !
یہ ثابت بھی ہے اور ستیا بھی عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی

یہ وحدت کثرت میں ہر دم اسیر!
یہ عالم، یہ بت خانہ پرشش جہات
پسند اس کو تکرار کی نحو نہیں!
من و تو سے ہے انجمن آفریں
چمک اس کی بجلی میں تارے میں ہے
اسی کے بیاباں، اسی کے ببول!
کہیں اس کی طاقت سے کُسا رچور
کہیں جُڑے شاہین سیاب رنگ
کبوتر کہیں اشیانے سے دُور!
پھر کُتا ہوا جال میں ناصبور

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
سفرِ زندگی کے لیے برگ و ساز
الجھ کر سلجھنے میں لذت اسے
ہو واجب اسے سامنا موت کا
اُتر کر جہاں مکافات میں!
مذاقِ دوئی سے بنی زوجِ زوج!
گل اس شلخ سے ٹوٹتے بھی ہے

سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات
بڑی تیز جواں، بڑی زود رس!
زمانہ کہ زنجیرِ ایام ہے!
دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے

یہ موجِ نفس کیا ہے؟ تلوار ہے
خودی کیا ہے؟ تلوار کی دھار ہے
خودی کیا ہے؟ باز درونِ حیات
خودی جلوہ بدست و خلوت پسند
اندھیرے اجالے میں ہے تابناک
ازل اس کے پیچھے، ابد سامنے!
زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی!
تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی!
سُک اس کے ہاتھوں میں سنگِ اُل
سفر اس کا انجام و آغاز ہے!
کرن چاند میں ہے، شرِ رنگ میں
اسے واسطہ کب کم و بیش سے
ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر
خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے

فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے گہاں کو ہے زہرِ ناب
وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند
وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب
رہے جس سے دنیا میں گردنِ بلند

زمانہ

جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہوگا، یہی ہے اک حرفِ محرانہ!
 قریب تر بے نمود جس کی، اُسی کا مشتاق ہے زمانہ
 مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
 میں اپنی تیج روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ!
 ہر ایک سے آشنا ہوں، لیکن جدا جدا رسم و راہ میری
 کسی کا راکب، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ
 نہ تھا اگر تو شریکِ محفل، قصور میرا ہے یا کہ تیرا؟
 مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے ثبانیہ
 مرے خم و بیج کو نجومی کی آنکھ بچپانتی نہیں ہے
 بدن سے بیگانہ تیرا اس کا، نظر نہیں جس کی عارفانہ
 شفق نہیں مغربی افق پر، یہ جوئے خوں ہے، یہ جوئے خون
 طلوع فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروزیہ فسانہ
 وہ فکرِ گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
 اُسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اُس کا آشیانہ
 ہوائیں اُن کی، فضا میں اُن کی، سمندر اُن کے، جہاز اُن کے!
 گرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر؟ بھنور بے تفتِ دیر کا بہانہ

خودی کو نگہ رکھ، ایازی نہ کر!
 کہ جو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
 یہ عالم کہ ہے زیرِ فرمانِ موت
 جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
 مسافر! یہ تیرا نشیمن نہیں
 جہاں تجھ سے ہے تو جہاں تہ نہیں
 طلسمِ زمان و مکاں توڑ کر!
 زمیں اس کی صید آسمان اس کا صید
 کہ خالی نہیں ہے ضمیرِ وجود
 تری شوخی فکرو کردار کا!
 کہ تیری خودی تجھ پہ ہوا نثار
 تجھے کیا تباؤں تری سر نوشت
 حقیقت ہے آئینہ گفتارِ زندگ
 مگر تابِ گفتار کہتی ہے بس!
 فردِ سالِ محسود سے درگذر!
 وہی سجدہ ہے لائقِ اہتمام
 یہ عالم، یہ بنگامِ رنگ و صوت
 یہ عالم، یہ تجھ سے چشم و گوش
 خودی کی یہ ہے منزلِ اولیں!
 تری آگ اس خاکِ لہ سے نہیں
 بڑھے حبا یہ کوہِ گراں توڑ کر!
 خودی شیرِ مولا، جہاں اس کا صید!
 جہاں اور بھی ہیں، ابھی بے نمود
 ہر اک منتظرِ تیری یلغار کا
 یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار!
 تو بے فاتحِ عالمِ خوب و زشت
 حقیقت پہ ہے جامہٴ حرفِ تنگ
 فردِ زماں ہے سینے میں شمعِ نفس

اگر ایک سیرِ موعے برتر پر م!
 فروغِ تجلی بسوزد پر م!



جہان نوہر رہا ہے پیدا، وہ عالم پیر مر رہا ہے !
جسے فشرنگی مُقَامروں نے، بنا دیا ہے قمار خانہ !
ہوا ہے گوتند و تیز سیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے !
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ !



فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کر رہے تھے

عطا ہوئی ہے تجھے روز و شب کی تیبانی
خبر نہیں کہ تو خاکی ہے یا کہ سیلابی !
سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے، لیکن
تری سرشت میں ہے کو کبھی و مہتابی
جمال اپنا اگر خواب میں بھی تو دیکھے !
ہزار ہوش سے خوشتر تری شکر خوابی
گراں بہا ہے ترا گریہ سحر گاہی !
اسی سے ہے ترے نخل کہن کی شادابی
تری نوا سے ہے بے پردہ زندگی کا ضمیر !
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی



روحِ ارمنی آدم کا استقبال کرتی ہے

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ،
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ !
اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ !
ایامِ حبائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ !
بے تاب نہ ہو، معرکہٴ بیم و رحب دیکھ !
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں
یہ گنبدِ افلاک، یہ خاموش فضاؤں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں !
تھیں پیشِ نظر کل تو فشرتوں کی ادائیں
ایسے ایام میں آج اپنی ادا دیکھ
سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشائے
دیکھیں گے تجھے دُور سے گردواں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تنہیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے

تعمیر خودی کر، اثر آہ رسا دیکھ !!
 خورشید جہاں تاب کی ضویرے شہر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 جتھے نہیں بنختے ہوئے فردوس نظر میں
 جنت تری پہاں ہے ترے خونِ جگر میں
 اے پیکرِ گل کو شش پیم کی جگر دیکھ
 نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے !
 تو جنسِ مجت کا خریدار ازل سے !
 تو پیرِ صنم خانہ اسرار ازل سے !
 محنت کش و خونریز و کم آزار ازل سے !
 ہے راکبِ تفتدیر جہاں تیری رضا دیکھ



پیر و مرید

مریدِ بندی

چشمِ بینا سے ہے جاری جو خونِ علم حاضر سے ہے دیں زار و زبول
 پیرِ رومی

علم را بر تن زنی مارے بود !
 علم را بر دل زنی یارے بود !

مریدِ بندی

اے اناہم عاشقانِ درد مند یاد ہے محب کو ترا حرفِ بلند
 خشک مغز و خشک تار و خشک پوست
 از کجای آید ایں آوازِ دوست،
 دورِ حاضر مستِ چنگ و بے سرور بے ثبات و بے یقین و بے حضور !
 کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا
 آہ یورپ ! ہاف و فرغ و تابناک
 نعمت اس کو کھینچتا ہے سوئے خاک

پیرِ رومی

بر سماعِ راست ہر کس چہر نیست
 طعمہ ہر مرغی انجیر نیست

مریدِ بندی

پڑھ لیے میں نے علومِ شرق و غرب رُوح میں باقی ہوا بتک درد و کرب

پیرِ رومی

دستِ ہر نا اہل بیمار ت کند !
 سوئے مادر آ کہ تیمارت کند !

مرید ہندی

انے نگہ تیری مرے دل کی کشاد کھول مجھ پر نکتہ حکیم بہاد

پیر رومی

نقش حق را ہم بہ امر حق شکن
بر ز جاج دوست سنگ دوست ن

مرید ہندی

بے نگاہ خا وراں مسخو غرب حور حبت سے بے خوشتر جو غرب

پیر رومی

ظاہر فقہ گر اسپید است و نو
دست و جامہ ہم سیہ گرد دازو

مرید ہندی

آہ مکتب کا جوان گرم خوں! ساحرِ افرا نگ کا صیدِ زلوں

پیر رومی

مرغِ پرنا رستہ چوں پڑاں شود
طعمہ ہر گز نہ ذرا شود

مرید ہندی

تاکب آویزشش دین و وطن جو ہر جاں پر قسم بدن!

پیر رومی

قلب پہنومی زند باز ریشب!
انتظار روز می دارد ذہب!

مرید ہندی

سزا آدم سے مجھے آگاہ کر! خاک کے ذرے کو مہر و ماہ کر!

پیر رومی

ظاہر ش را پشہ آرد بچرخ
باطنش آمد محیطِ مہفت چرخ

مرید ہندی

خاک تیرے نور سے روشن بھرا! غایتِ آدمِ خب سے یا نظر!

پیر رومی

آدمی دید است، باقی پوشت است دیداں باشد کہ دید دوست است

مرید ہندی

زندہ بے مشرق تری گفتار سے اُمتیں مرتی ہیں کس آزار سے؟

پیر رومی

بہر ہلاک اُمت پیشیں کہ بود
زانکہ بر جنہاں گماں بردند عود!

مرید ہندی

اب مسلمان میں نہیں وہ رنگ دُبو
سرد کیونکر ہو گیا اس کالہ

پیر رومی

تا دل صاحب دے نامد بہ درد
ہیچ قوے را خدا سوانہ کرد

مرید ہندی

گر چہ بے رونق ہے بازار وجود
کون سے سودے ہیں مردوں کا؟

پیر رومی

زیر کی بفس و حیرانی بخر
زیر کی ظن است و حیرانی نظا

مرید ہندی

ہم نفس میرے سٹیں کے ندیم
میں فقیر بے کلاہ و بے گلیم!

پیر رومی

بندہ یک مرد روشن دل ثوی
بہ کہ برفِ قِ سرِ شاہاں دوی

مرید ہندی

اے شریکِ مستی خاصانِ بدر
میں نہیں سمجھا حدیثِ جبر و قدر

پیر رومی

بال بازاں را سوئے سلطانِ برد
بال زاعناں را بگورستانِ برد

مرید ہندی

کار و بارِ خسروی یا راہبئی
کیا ہے آخر غایتِ دینِ نبی؟

پیر رومی

مصلحت در دینِ ماجنگ و شکوہ
مصلحت در دینِ عیسیٰ غار و کوہ

مرید ہندی

کس طرح قابو میں آئے آب و گل؟
کس طرح بیدار ہو سینے میں دل؟

پیر رومی

بندہ باش و برز میں روچوں سمند چوں جنہ زہ نے کہ برگردن برند

مرید ہندی

ستر دیں ادراک میں آنا نہیں کس طرح آئے قیامت کا یقیں؟

پیر رومی

پس قیامت شو قیامت را ہیں دیدن ہر چیز را شرط است این

مرید ہندی

آسمان میں راہ کرتی ہے خودی صید مہر و ماہ کرتی ہے خودی!
بے جھنور و با فردغ و بے فراغ
اپنے نچھیروں کے ہاتھوں فراغ

پیر رومی

آں کہ ارز و صید را عشق است بس لیکن او کے گنبد اندر دام کس!

مرید ہندی

تجھ پہ روشن ہے ضمیر کائنات کس طرح محکمہ ہولت کی حیات؟

پیر رومی

دانہ باشی مرغکانت برچہند غنچہ باشی کو دکانت برکند
دانہ پنہاں کن سراپا دام شو غنچہ پنہاں کن گیاہ بام شو

مرید ہندی

تو یہ کہتا ہے کہ دل کی کرتلاش طالع دل باش و در پیکار باش
جو مرا دل ہے مرے سینے میں ہے میرا جو ہر میرے آئینے میں ہے

پیر رومی

تو ہی گوئی مراد دل نیز بہت دل فراز عرش باشد نے بہت
تو دل خود را دے پنداشتی جستجوے اہل دل بگذاشتی

مرید ہندی

آسمانوں پر مرف کبر بلند! میں زمیں پر خوار و زار و در و مند!
کار دنیا میں رہا جاتا ہوں میں ٹھوکریں اس راہ میں کھاتا ہوں میں
کیوں مرے بس کا نہیں کا زیں؟ ابلہ دنیا ہے کیوں دانا سے دیں؟

پیر رومی

آں کہ برفداک رفتارش بود برز میں رفتن حیدہ دشوارش بود

مرید ہندی

علم و حکمت کا ملے کیونکر سراغ؟ کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ؟

پیر رومی

علم و حکمت زاید از نانِ حلال! عشق و رقت آید از نانِ حلال!

مرید ہندی

ہے زلمے کا تقاضا بخشن اور بے خشوت نہیں سوزِ سخن

پیر رومی

خلوت از اغیار باید نے زیارا پوستیں بہر دے آمد نے بہار

مرید ہندی

ہند میں اب نور ہے باقی نہ سوز اہل دل اس دیس میں ہیں تیرہ روز

پیر رومی

کارِ مرداں روشنی و گرمی است کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است



جبریل و ابلیس؟



جبریل

ہم دم ویرینہ! کیسا ہے جہاں رنگ و بو؟

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجوئے آرزو!

جبریل

ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو! کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک دامن ہو رفو؟

ابلیس

آہ اے جبریل تو واقف نہیں اس راز سے
کر گیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبُو
اب یہاں میری گزر ممکن نہیں، ممکن نہیں
کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کاخ و کو!

محل و گلی

جس کی نومیدی سے ہوسوز درون کائنات!
اس کے حق میں تَقْنَطُوا اچھا ہے یا لَا تَقْنَطُوا!

جبریل

کھو دیئے انکار سے تو نے مقاماتِ بلند
چشمِ یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا آبرو!

ابلیس

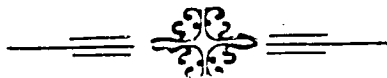
ہے مری جرات سے مشمتِ خاک میں ذوقِ نو
میرے فتنے جامہٴ عفتل و خرد کا تار و پلو!
دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزمِ خیش و شہر
کون طوفان کے طمانچے کھا رہا ہے؟ میں کہ تو؟
خضر بھی بے دست و پا، الیا س بھی بے دست و پا
میرے طوفانِ یم بہ یم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
گر کبھی خلوتِ میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو؟
میں کھلتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح!
تو فقط: اللہ ھُو، اللہ ھُو، اللہ ھُو!



اذان



اک رات ستاروں سے کہا نجمِ سحر نے
آدم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار!
کنے لگا مریخ، ادا فہم ہے تقدیر!
ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار!
زہرہ نے کہا اور کوئی بات نہیں کیا!
اس کریمِ شب کو رسے کیا ہم کو سروکار!
بولامہٴ کامل کہ وہ کو کب ہے زمینی!
تم شب کو نمودار ہو، وہ دن کو نمودار!
واقف ہو اگر لذتِ بیداریِ شب سے
اوپچی ہے تریا سے بھی یہ خاکِ برِ اسرار!
آغوشِ میں اسکی وہ تجلی ہے کہ جس میں!
کھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و ستار
ناگاہ فضا بانگِ اذان سے ہوئی لبِ ریز
وہ نعرہ کہ بل جاتا ہے جس سے دل کہسار



محبت

شہید محبت نہ کافر، نہ غازی
وہ کچھ اور شے ہے، محبت نہیں ہے
یہ جو ہر اگر کار فرما نہیں ہے
نہ محتاج سلطان، نہ مرغوب سلطان
محبت کی رسمیں نہ ترکی، نہ تازی
سکھاتی ہے جو غزنوی کو یازی
تو ہیں علم و حکمت فقط شبیشہ بازی
محبت ہے آزادی و بے نیازی
مرا فخر بہتر ہے سکندری سے
یہ آدم گری ہے، وہ آئینہ سازی

ستارے کا بیغام

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
مری سرشت میں ہے پکی دہشتانی
تو لے مسافر شب خود چسپاں بن اپنا
کر اپنی رات کو دہانہ جگہ سے نورانی

جاوید کے نام

(لندن میں اس کے ۱۰۰/۱۰۱ بلا خط آنے پر)

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر!
نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر!
خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر!
اٹھانے شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں!
سفالِ کعبہ سے میٹا و جام پیدا کر!
میں شاخِ تاک ہوں، میری غزل ہے میرا اثر
مرے ثمر سے مے لالہ فام پیدا کر!
مرا طوقِ امیری نہیں، فقری ہے
خودی نہ بیچ، غسریبی میں نام پیدا کر!

فلسفہ و مذہب

یہ آفتاب کیا یہ سپہر بریں ہے کیا؟
 سمجھا نہیں تسلسلِ شام و سحر کو نہیں!
 اپنے وطن میں ہوں کہ غریبِ الٰہی ہوں
 ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس فشت و در کوئیں
 کھتا نہیں مرے سفرِ زندگی کا راز
 لاؤں کہاں سے بندہ صاحبِ نظر کوئیں
 حیراں ہے بوعلی کہ میں آیا کہاں سے ہوں
 رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کوئیں
 جاتا ہوں تھوڑی دور بہراک لاہر کے ساتھ
 پہچانتا نہیں ہوں ابھی لاہر کوئیں

یورپے ایک خط

ہم خوگر محسوس ہیں ساحل کے خیریدار
 اک بحرِ پُر آشوب و پراسرار ہے رومی!
 تو بھی ہے اسی فائدہ شوق میں اقبال!
 جس فائدہ شوق کا سالار ہے رومی!

اس عصر کو بھی اُس نے دیا ہے کوئی پیغام؟
 کہتے ہیں چرخِ رہِ حصار ہے رومی

جواب

کہ نباید خورد و جو ہم پچوں خسراں!
 اسہوانہ درختن چسارِ غواں!
 ہر کہ کاہ و جو خورد تر باں شود
 ہر کہ نورِ حق خورد متراں شود



پہولین کے مزار پر

راز ہے راز ہے تفتِ دیرِ جہانِ تگ و تاز
 جوشِ کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز
 جوشِ کردار سے شمشیرِ کندر کا طبع
 کوہِ الوند ہوا جس کی حرارت سے گداز!
 جوشِ کردار سے تیسور کا سیل ہمہ گیر
 سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز

صَفِ جَنّاه میں مَسْرُوانِ خدا کی کج بے سیر!
جوشِ کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز
سے مگر فرصتِ کردار نفس یا دو نفس
عوضِ یک دو نفسِ قبر کی شب ہمارے دراز
”عاقبت بمنزلِ ماوادی خاموشان است
حالیا غلغله در گنبدِ افلاک انداز“



مسوئلیتی

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے؟ ذوقِ انقلاب
ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے؟ ملت کا شباب
ندرتِ فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی!
ندرتِ فکر و عمل سے سنگِ خارہ بعلِ ناب
رومۃ الکعبہ سر! دگر گوں ہو گیا تیرا ضمیر!
ایکھ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب
چشمِ پیران کہن میں زندگانی کا فرخ
نوجوان تیرے میں سوزِ آرزو سے سینہ تاب

یہ محبت کی حرارت! یہ تمنا! یہ نمود!
فصلِ گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیرِ حجاب
نغمہ ہمارے شوق سے تیری فضا معمور ہے
زخمہ ور کا منتظر تھا تیری فطرت کا رباب
فیض یہ کس کی نظر کا ہے؟ کرامت کس کی ہے؟
وہ کہ ہے جس کی نگہ مثلِ شعاعِ آفتاب!

سوال

اک مفلس خود داریہ کتنا تھا خدا سے
لیکن یہ تباہ تیری اجازتِ فرشتے
میں کر نہیں سکتا گلہ دروِ فیری!
کرتے ہیں عطا مردِ فرومایہ کو میری!

پنجاب کے دہقان سے

بت کیا تری زندگی کا ہے راز!
ہزاروں برس سے ہے تو خاک باز
اسی خاک میں دب گئی تیری آگ
سحر کی اذال ہو گئی، اب تو جاگ
زمین میں ہے گونہ کیوں کی برات!
نہیں اس اندھیرے میں آبِ حیات

زمنے میں جھوٹا ہے اس کانٹھیں
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں!
بُستانِ شعوب و قبائل کو توڑ!
رُسومِ کُہن کے سدا سِل کو توڑ!
یہی دینِ محکم، یہی فستحِ باب
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب
بخاکِ بدنِ دامنِ دل فشاں!
کہ ایں دامنہ دارد ز حاصلِ نشاں!



نادر شاہ افغان

حضورِ حق سے چلا لے کے لولوے لالا
وہ ابر جس سے رگِ گل بے مثلِ تارِ نفیس
بہشتِ راہ میں دیکھا تو ہو گیا بے تاب
عجب مقام ہے، جی چاہتا ہے جاؤں برس
صدا بہشت سے آئی کہ منتظر ہے ترا
ہرات و کابل و غزنی کا سبز نورس!

سُرُشکِ دیدہ ماورِ بہ داغِ لالہ فشاں!
چنساں کہ آتشِ اُورا دگر فزِ نشاں!



خوشحال خاں کی وصیت

بائل ہوں نلت کی وحدت میں گم
بت مجھے ان جوانوں سے ہے
کہ ہونا مافغانیوں کا بلند
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمنہ
مل سے کسی طرح کمتر نہیں
قمتاں کا یہ بچہ ارجمند
دل تجھ سے لے ہم نشینِ دل کی بات
وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو سپند
اڑا کر نہ لائے جہاں بادِ کوہ
مغل شہسواروں کی گردِ سمند



خوشحال خاں جنگِ پشتو زبان کا مشہور وطن دوست شاعر تھا جس نے افغانستان کو مغلوں سے آزاد کرانے
لے لیے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمعیت قائم کی۔ قبائل میں صرف آفریدیوں نے آخر دم تک اس کا
تھو دیا۔ اس کی قبر بیاہیک سولظوں کا انگریزی ترجمہ ملت نے میں لندن میں شائع ہوا تھا۔

تاتاری کا خواب

کہیں سجادہ و عثم نامہ رہن! کہیں ترسا بچوں کی چشم بیباک!
روائے دین و ملت پارہ پارہ! قبائے ملک و دولت چاک درچاک!
مرا امیاں تو بے باقی، و لیکن نہ کھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک!
ہو اسے تند کی موجوں میں محصور سمرقند و بخارا کی کفِ خاک!

بگڑا اگر دُخود چپدا نکہ بینم
بلا انگشتری و من نگینم

یکایک ہل گئی خاک سمرقند اٹھا تیمور کی تربت سے اک نور
شفق آمیز تھی اس کی سفیدی صدا آئی کہ میں ہوں روح تیمور
اگر محصور ہیں مردانِ تاتار! نہیں اللہ کی تفتِ دیدِ محصور
تقاضا زندگی کا کیا یہی ہے کہ تورانی ہو تورانی سے مہجور

”خودی را سوز و تابے دیگرے وہ
جہاں را الفت مابے دیگرے وہ“



حال و مقام



دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتِ دریا!
بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نگران اور
احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظے سالک کا زماں اور مکاں اور!
الفاظ و معانی میں نفاسِ دل نہیں لیکن
ملا کی اذال اور محبِ اہل کی اذال اور!
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کر گس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور!



ابو العلامہ

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معمری
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گذراوقات
اک دوست نے مجھونا ہوا تیرے بھیجا!
شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے ہومات

یہ خوانِ تروتازہ معسری نے جو دیکھا
 کہنے لگا وہ صاحبِ غفلان و لزومات
 اے مرغابِ جیپارہ، ذرا یہ تو بتا تو!
 تیرا وہ گنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
 افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
 دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
 تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
 ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات



سینما

وہی بُت فروشی، وہی بُت گرمی ہے
 وہ صنعت نہ تھی، بشیوہ کا فری تھا
 سینما ہے یا صنعتِ آزاری ہے؟
 یہ صنعت نہیں، بشیوہِ ساحری ہے
 وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کہن کا
 یہ تہذیبِ حاضر کی سوداگری ہے
 وہ دنیا کی مٹی، یہ دوزخ کی مٹی
 وہ تجنا نہ خاکی، یہ خاک تہی ہے

۱۔ غفران - رسالہ الغفران معری کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے۔
 ۲۔ لزومات - اُس کے قصائد کا مجموعہ ہے۔

پنجاب کے پیر زادوں سے



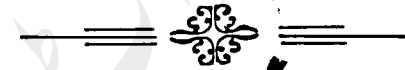
حاضر ہوا میں شیخ محمد اشرفؒ کی لحد پر
 وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
 اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستار
 اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
 گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے!
 جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار
 وہ ہند میں سرمایہٴ ملت کا نگہباز
 اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار!
 کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
 آنکھیں مری سینا میں، ولیکن نہیں بیدار!
 آئی یہ صد اسسلہ فقر ہوا بسند!
 میں اہل نظرِ کشورِ پنجاب سے سینار
 عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خط کہ جس میں!
 پیدا کلمہ فقر سے ہو طرہٴ دستار!

باقی کلمہ فقر سے تھا دلولہ حق!
 طُروں نے چڑھایا نشہ خدمتِ سرگڑ



سستی

اس کھیل میں تعینِ مراتب، ضروری
 شاطر کی عنایت سے تو فرز میں پیادہ
 بیچارہ پیادہ تو ہے اک مہرہ ناچیز!
 فرز سے بھی پوشیدہ شاطر کا ارادہ



فقر

اک فقر سے کھاتا ہے صیاد کو پنجیری
 اک فقر سے کھتے ہیں اسرارِ جہانگیری
 اک فقر سے قوموں میں سکینی و دلگیری
 اک فقر سے مٹی میں خاصیتِ اکسیری!
 اک فقر سے شبیری اس فقر میں ہے میری
 میراثِ مسلمانی، سرمایہ شبیری!

خودی

خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض
 نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض
 یہ کہتا ہے فسردوئی دیدہ و را!
 عجم جس کے سرے سے روشن بصر
 ”ز بہرِ درم تنہا بد تو باش
 تو باید کہ باشی درم گو باش“



جدائی



سُورج بنتا ہے تارِ زر سے
 دنیا کے لیے رواے نوری!
 عالم ہے خموش و مست گویا
 ہر شے کو نصیب ہے حضوری!
 دریا، کھسار، چپاند، تارے
 کیا جانیں فراق و ناصبوری
 شایاں ہے مجھے غمِ جدائی
 یہ خاک ہے محرمِ جدائی



خافتاہ

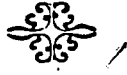
رمز و ایسا اس زمانے کے لیے موزوں نہیں
اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن!
”قم باذن اللہ“ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خافتا ہوں میں محاورہ گئے یا گور کن!



ابلیس کی عرضداشت

کہتا تھا عزرا زیل خداوند جہاں سے
پر کالہ آتش ہوئی آدم کی کفِ خاک
جہاں لاغیر و تن فریب و لبوس بدن زریب
دل نزع کی حالت میں خسرد پختہ و چالاک!
ناپاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت
مغرب کے فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ بے پاک
تجھ کو نہیں معلوم کہ حوران بہشتی!
ویرانیِ جنت کے تصور سے ہن غمناک؟

جہنور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تیرا فلاک



لہو

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے، نہ ہراس
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس
جسے ملا یہ مستاع گراں بہا اس کو
نہ سیم و زر سے مجرت ہے، نہ غم افلاس

پرواز

کہا درخت نے اک روز مرغِ صحرا سے
ستم یہ غمکہ رنگ و بو کی ہے بنیاد
خدا تجھے بھی اگر بال و پر عطا کرتا!
شگفتہ اور بھی ہوتا یہ عالمِ ایجاب!
دیا جواب اُسے خوب مرغِ صحرا کے
غضب سے، داد کو سمجھا ہوا ہے تو بیداد
جہاں میں لذتِ پرواز حق نہیں اس کا!
وجود جس کا نہیں جذبِ خاک سے آزاد

شیخ مکتب سے

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر جس کی صنعت ہے روح انسانی!
 نکتہ دلپذیر تیرے لیے کہہ گیا ہے حکیم قافی:
 ”پیش خورشید برکش دیوار
 خوابی ار مستحسب خزانہ نورانی“

فلسفی

بلند بال تھا، بسکن نہ تھا جسور مغرور
 حکیم سرِ محبت سے بے نصیب رہا
 پھر افضاؤں میں گر گس اگر حیش ہیں وار
 شکلا حزنہ کی لذت سے بے نصیب رہا

شاہین

کیا میں نے اُس خاکداں سے کنارہ
 جہاں رزق کا نام ہے آبِ ودانہ
 بیاہاں کی خلوت خوش آتی ہے مجھ کو
 ازل سے فطرت مری را مہبانہ

نہ بادِ بہاری، نہ گلچیں، نہ بلبل
 نہ بیاری نغمہ عاشقانہ
 ادائیں ہیں ان کی بہت دلبرانہ!
 جو انسر و کی ضربتِ غازیانہ
 کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ!
 لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ
 مرا نیلگوں آسماں بیکرانہ
 یہ پورب، یہ پچھم، چکرو کی دنیا
 پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
 کہ شاہ میں بنانا نہیں آشیانہ!

یاعنی مرید

کہ ہم کو تو مینس نہیں مٹی کا دیا بھی!
 گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن!
 شہرِ مری ہو دہاتی ہو مسلمان ہے سادہ!
 مانند بتاں پہنچتے ہیں کعبے کے برہمن
 نذرانہ نہیں! سود ہے پیرانِ حرم کا!
 ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن ✓

میراث میں آئی ہے انھیں مسند ارشاد
زاعنوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن!



ہارون کی آخری نصیحت

ہارون نے کہا وقت رحیل اپنے سپرے
جائے گا کبھی تو بھی اسی راگبذر سے!
پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

ماہر نفسیات سے

جرات ہے تو افکار کی دنیا سے گذر جا
ہیں بحیرہ خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلمزم خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضربِ کمی سے نہ چیرے



یورپ

تاک میں بیٹھے ہیں مذت سے یہودی سودخوار
جن کی روباہی کے آگے بیسچ ہے زور پلنگ
خود بخود گرنے کو بے پختے ہوئے پھل کی طرح
دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ

(ماہر ذرا نشیمن)



آزادی افکار

جو دوئی فطرت سے نہیں لائق پرواز
اس مرغِ بجاہ کا انجام ہے افتاد
ہر سینہ نشین نہیں جب سربل ایس کا
ہر فکر نہیں طائرِ فردوس کا صیاد
اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکرِ خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

عقاب اور چیونٹی

عقاب

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں
میں نہ سپر کو نہیں لاتا نگاہ میں !



تو کلمہ

فطرت میری مانس نہیں میری حجاب
رقار ہے میری کبھی آہستہ کبھی تیز
پہنیا مہول طلس کی قبا لالہ گل کرو
کرتا مہول سرخار کو سوزن کی طرح تیز



شیر اور خچر

شیر

ساکنانِ دشت و صحرا میں ہے تو رب سے الگ
کون ہیں تیرے اب وجد؟ کس قبیلے سے ہے تو؟

خچر

میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور
وہ صبارِ رقار! شاہی اصطبل کی آبرو!
(بخود از جرم)



چیونٹی اور عقاب

چیونٹی

میں پائیل و خوار و پریشان و دردمند
تیرا مفتام کیوں نہ ستاروں سے بھی بلند؟

آزور (آزوری): ۱۳۲

‘91 ‘43, ‘54

ابلیس۔ شیطان :- ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۳۶

ابوبکر صدیقؓ : ۱۰۳

ابو الحسن :- ۶۹

ابو ذر غفاریؓ :- ۱۸

ابو العلاء معری :- ۱۳۱، ۱۳۲

ابو لیب: ۹۳

ارد شیر: ۹۷

اسرائیل علیہ السلام :- ۱۸، ۳۹

اسد: (دکھے علی)

سما عیل علیہ السلام: ۱۰۹

فلاطون: ۶۱، ۶۲

[illegible]

جہاں :- ۱۸ ۱۷ ۱۶ ۱۵ ۱۴ ۱۳ ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

0 21 48 55 12 12

لیاس علیہ السلام

ملکی :- ۳۱۵

پاڙ:- ۶۴، ۱۰۶، ۱۲۲

بیک قطب الدین: ۵۸

()

طایفہ - ۱۰۰۰

موتی کی طرح

علاقہ "م"

۱۳۳ علی قلندر :-

(۲)

روز خسرو :- ۸' ۳' ۲۰' ۳۱' ۵۵

(ت)

تیمور، امیر:- ۲۰، ۳۳، ۴۱، ۴۷، ۴۵، ۴۳۰

وہ طبع
کل اپنے پردوں سے کہا پر مغسالتے
تمہارے میں پر مغسالتے ہے دراب سے وہ غنیمت
نہر ہے اس قوم کے حق میں ہے انوکھ
حق قوم کے لئے ہے نہیں خود دار نہر مند

محمد اسلم خوشنویس

ممالک، شہر، پہاڑ، دریا

(ش)

شیر (شیری) :- ۵۷، ۱۳۴

(ص)

صدیق :- (دیکھئے ابوبکر)

(ط)

طارق بن زیاد :- ۸۳

طغرل (بیک سلجوقی) :- ۵۳، ۶۸

طوسی، نصیر الدین :- ۱۳۰

(ع)

عبدالرحمن اول :- ۸۲

عزیزیل :- ۱۳۶

عطار، فرید الدین :- ۱۷، ۴۴

علی (حیدر) :- ۶، ۴۴، ۵۰، ۶۶، ۶۸، ۹۸، ۱۴۳، مسوینی :- ۱۲۶

عمسی (سبح) علیہ السلام :- ۶۰

(غ)

غزالی :- ۴۴

غوری، شادوب الدین :- ۵۸

(ف)

فارابی :- ۵۳

فاطمہ الزہراء :- ۱۸

فردوسی :- ۱۳۵

فرعون :- ۱۹

فرہاد :- ۵۵

نغفور :- ۴۶

(ق)

قآنی :- ۱۳۸

قیصر :- ۱۸، ۱۹، ۳۷

(ک)

کسری :- ۱۸، ۱۹

کلیف، حضرت موسیٰ علیہ السلام :- ۳۱، ۳۲

کلیف :- ۳۸، ۴۵، ۵۵، ۶۰، ۷۰، ۷۶، ۱۰۲، ۱۳۰

(ل)

لنن :- ۸۵

(م)

مجدد الف ثانی :- ۱۳۳

محمد :- ۴، ۱۹، ۲۱، ۲۹، ۶۶، ۷۵، ۱۱۵

محمود غزنوی :- ۶۳، ۹۱، ۱۰۶، ۱۲۲

مسوینی :- ۱۲۶

معتد :- ۸۱

ممدی، امام :- ۷۰

(ن)

نادر شاد غازی :- ۱۷، ۱۲۸

نپولین بونا پارٹ :- ۱۲۵

نمرود :- ۱۶

نوشیرواں :- ۶۸

نیشا :- ۱۴۱

(ه)

ہارون :- ۱۳۰

اشبیلہ :- ۸۱

اصفہان :- ۱۶

اصنم (پہاڑ) :- ۹۰

افغانستان :- افغانی :- ۱۲۸، ۱۲۹

اندلس :- ۷۸، ۸۲، ۸۳

ایران :- ایرانی :- ۸، ۱۸، ۹۸

ایشیاء :- ۴۲

(ب)

بخارا :- ۱۳۰، ۱۳۴

بیت اللہ :- دیکھئے "کعبہ"

پ

پارس :- دیکھئے "فارس"

پنجاب :- ۱۷

(ت)

تبریز :- ۸

ترکی :- ترک :- ۵۶، ۶۳

توران :- تورانی :- ۱۸، ۱۳۰

(ج)

جرمنی :- ۴۳

جیون (دریا) :- ۲۱

ج

چین :- چینی :- ۵۱

(ح)

حجاز :- حجازی :- ۲۲، ۷۹، ۹۱

حرم :- ۳، ۱۳، ۱۸، ۲۵، ۳۶، ۳۸، ۳۹

۵۷، ۶۱، ۶۳، ۶۵، ۷۸، ۸۳

۸۹، ۹۱، ۱۳۹

(خ)

خیبر :- ۵۰، ۶۸

(د)

دجلہ (دریا) :- ۷۷، ۹۱

دلی :- ۱۶، ۳۱

دنیوب (دریا) :- ۷۷

(ر)

راوی (دریا) :- ۳۸

روم :- رومی :- ۳۱، ۳۹، ۵۱، ۵۵، ۱۲۶

(س)

سمرقند :- ۱۶، ۵۵، ۱۳۰

سومناٹ :- ۳، ۹۱، ۱۰۴

سیناٹ طور (پہاڑ) :- ۱۹، ۳۱، ۳۳، ۸۲

۱۰۰، ۱۰۲

موضوعات

(۱)

بت خانہ (بکدہ) :- ۳ '۵۳ '۱۰۳

۱۰۶ '۱۱۳

بدر (جنگ) :- ۹۱

برہمن :- ۲۳ '۵۵ '۱۳۹

بلبل :- ۶۰ '۱۳۹

ہشت :- ۵ '۳۳ '۹۶ '۳۸ '۱۳۶

(پ)

پادشاهی :- ۲۷ '۳۱ '۳۵ '۴۱ '۵۳

۶۸ '۶۰ '۵۹

(ت)

تاتاری :- ۲۹ '۱۳۰

تصوف :- ۱۰۲

تعلیم :- ۸۶

تقدیر :- ۲۱ '۲۸ '۳۳ '۴۰ '۴۱ '۴۳

۴۴ '۴۵ '۴۷ '۵۰ '۶۱ '۸۰ '۸۱ '۸۷

۱۰۷ '۱۱۰ '۱۱۱ '۱۱۲ '۱۱۳ '۱۱۴

تگوار (تغ) :- ۲۷ '۶۸ '۸۵ '۸۸ '۱۰۵

تمنا :- ۱۲

توحید :- ۹ '۱۷ '۲۵ '۳۵ '۳۶

۴۲ '۵۳ '۶۰ '۶۳ '۶۵ '۷۲ '۷۶ '۷۷

۱۰۲ '۱۰۳ '۱۰۴

تمتیب (تمن) :- ۱۸ '۲۹ '۵۸

۶۳ '۸۹ '۹۷ '۱۰۲

آدم :- ۳ '۷ '۱۲ '۲۷ '۲۹ '۵۲ '۵۵

۶۹ '۷۶ '۸۶ '۹۵ '۱۰۱ '۱۰۸ '۱۰۹ '۱۱۳

۱۳۶ '۱۴۱ '۱۴۰

آدی :- ۲۵

آرزو :- ۸ '۱۰ '۲۳ '۳۶ '۶۷ '۷۰

۷۲ '۷۳ '۹۳ '۹۴ '۱۰۳ '۱۰۹ '۱۱۶

آزادی - آزاد :- ۱۹ '۲۵ '۲۹ '۳۳

۵۲ '۵۵ '۵۶ '۶۳ '۱۰۳ '۱۰۴ '۱۰۵ '۱۱۱

آفتاب :- ۵۸ '۸۰ '۹۰ '۹۴ '۹۸ '۱۱۳

۱۲

آئین :- ۴۳ '۵۳

(ا)

ان :- ۲۲ '۷۹ '۸۵ '۱۴۱ '۱۴۱

۸۲ :- دو

رنگ :- (دیکھئے فرنگ)

م (ستارے) :- ۳ '۷ '۲۶ '۳۳

۴۴ '۴۵ '۴۶ '۴۷ '۴۸ '۴۹

۵۰ '۵۱ '۵۲ '۵۳ '۵۴ '۵۵

۶۰ '۶۱ '۶۲ '۶۳ '۶۴ '۶۵ '۶۶ '۶۷

۶۸ '۶۹ '۷۰ '۷۱ '۷۲ '۷۳ '۷۴ '۷۵

۷۶ '۷۷ '۷۸ '۷۹ '۸۰ '۸۱ '۸۲ '۸۳

۸۴ '۸۵ '۸۶ '۸۷ '۸۸ '۸۹ '۹۰ '۹۱

۹۲ '۹۳ '۹۴ '۹۵ '۹۶ '۹۷ '۹۸ '۹۹

۱۰۰ '۱۰۱ '۱۰۲ '۱۰۳ '۱۰۴ '۱۰۵ '۱۰۶ '۱۰۷

۱۰۸ '۱۰۹ '۱۱۰ '۱۱۱ '۱۱۲ '۱۱۳ '۱۱۴ '۱۱۵

(ب)

:- ۱۳۸ '۱۳۲ '۱۳۹

کاغذ (میدان) :- ۹۰

کبیر (دریا) :- ۸۰

کعبہ (بیت اللہ) :- ۳ '۵۳ '۷۸

۱۳۹

کوفہ - کونی :- ۵۷ '۵۳

(ل)

لاہور :- ۵۹

لندن :- ۲۲ '۳۱ '۴۳ '۱۱۹

(م)

مدینہ :- ۳۱

مصر :- ۲۸

(ن)

نجف :- ۳۱

نیل (دریا) :- ۳۸ '۷۷

(ه)

ہرات :- ۱۳۸

ہسپانیہ :- ۷۳ '۸۱ '۸۳

ہمالہ (پاڑ) :- ۱۰۲

ہندوستان (ہند) :- ۸ '۲۰ '۳۰ '۵۳

۶۳ '۷۶ '۸۰ '۸۱ '۸۲ '۸۳ '۸۴ '۸۵

(ی)

یمن :- ۷۹

یورپ :- ۱۸ '۲۹ '۶۳ '۷۸ '۸۶ '۸۸

۱۳۱ '۱۳۲

(ش)

شام - شامی :- ۲۲ '۲۹ '۵۱ '۵۵ '۵۷

۸۳

(ط)

طور :- دیکھئے "سینا"

(ع)

عجم - عجمی :- ۸ '۱۱ '۱۳ '۳۵ '۳۸

۶۳ '۹۱ '۱۰۲

عرب - عربی :- ۳۵ '۵۱ '۶۳ '۷۸

۸۲ '۸۳ '۹۱

عراق :- ۲۰

(غ)

غزالیہ :- ۸۳

غزنی :- ۱۳۸

(ف)

فاران :- ۱۰۲

فارس (پارس) :- ۲۰ '۲۲ '۷۷

فرات (دریا) :- ۳۸ '۹۱

فرانس :- ۳۸ '۷۹

فرنگ :- ۵۳ '۵۵

فلسطین :- ۲۸ '۹۰

(ق)

قرطبہ :- ۲۸ '۷۲ '۷۳ '۷۵ '۸۰

(ک)

کابل :- ۱۳۸

(j)

شاعر۔ شاعری :- ۱۰، ۳۸، ۴۰، ۵۱، ۷۱، ۷۳

خودی :- ۷ ' ۱۷ ' ۲۱ ' ۲۹ ' ۳۰ ' ۳۳ ' ۳۵

(ب)

فرشتے :- ۵ '۵۵ '۶۱ '۸۸ '۱۰۸ '۱۰۹
۱۲

فردوس :- ۱۵ '۹۶ '۱۱۰ '۱۳۱

فرنگ 'افرنگی :- ۱۳ '۱۵ '۱۹ '۲۱ '۲۲

۲۴ '۲۶ '۲۸ '۲۹ '۳۰ '۳۱ '۳۳ '۳۷

۴۰ '۴۲ '۴۴ '۴۵ '۴۹ '۵۰ '۵۳

۵۴ '۵۵ '۶۱ '۶۳ '۸۰ '۸۶ '۸۷ '۹۸

۱۰۲ '۱۰۸ '۱۱۲ '۱۲۳ '۱۳۱

فقر - فقیر :- ۱۳ '۱۸ '۲۰ '۲۷ '۳۳

۳۷ '۴۴ '۴۷ '۴۹ '۵۱ '۵۳ '۵۷

۶۰ '۷۰ '۷۸ '۹۲ '۹۷ '۱۰۳ '۱۱۵ '۱۲۲

۱۲۷ '۱۳۳ '۱۳۴

فلسفہ - فلسفی :- ۵۵ '۷۳ '۱۲۳ '۱۳۸

(ق)

قرآن :- ۴ '۱۵ '۲۰ '۱۲۵

قلندر - قلندری :- ۲۳ '۲۵ '۲۶

۳۸ '۵۳ '۵۵

قوم - قومیت :- ۹۶ '۱۳۲ '۱۴۱ '۱۴۴

قیامت :- ۱۸ '۶۳ '۶۶

(ک)

کبوتر :- ۱۰۰ '۱۰۳ '۱۳۹

کیسا :- ۱۵ '۳۶ '۶۳ '۸۹ '۹۷

(م)

مجاہد :- ۱۳۱

مذہب :- ۶۲ '۹۷ '۱۲۳ '۱۳۲

مرغ :- ۴ '۵۹ '۶۸ '۱۱۲ '۱۳۲

۱۳۷

مسجد :- ۱۵ '۲۴ '۵۸ '۷۲ '۷۳ '۸۰
۹۶

مسلم - مسلمان :- ۲۴ '۲۵ '۲۷ '۲۸

۳۲ '۳۵ '۴۳ '۵۶ '۵۷ '۶۷ '۷۶

۷۸ '۷۹ '۸۳ '۸۴ '۸۵ '۹۹ '۱۰۲ '۱۱۳

۱۳۰ '۱۳۹ '۱۴۰

مشرق :- ۱۴ '۱۸ '۲۲ '۷۸ '۸۶ '۱۰۹ '۱۱۱

۱۳۶ '۱۳۹

مغرب :- ۱۴ '۱۸ '۲۲ '۲۸ '۵۲ '۷۸

۷۹ '۸۶ '۱۰۷ '۱۱۱ '۱۱۳ '۱۳۹

مکالم :- ۲۸ '۱۳۱

ملا - مولوی :- ۸ '۱۴ '۲۵ '۲۷ '۲۸

۵۱ '۵۵ '۵۶ '۶۳ '۹۶ '۱۳۱

ملت :- ۳۲ '۱۰۳ '۱۱۶ '۱۲۶ '۱۲۹ '۱۳۳

ملوک - ملوکیت :- ۲۰ '۳۷ '۵۳

موت - مرگ :- ۲۱ '۳۱ '۳۶ '۳۸ '۴۱

۴۴ '۴۶ '۴۷ '۴۹ '۷۳ '۷۴ '۷۵

۸۰ '۸۶ '۸۷ '۹۳ '۱۰۳ '۱۰۴ '۱۰۶

۱۳۲ '۱۴۰

مومن :- ۱۴ '۲۶ '۲۷ '۲۸ '۵۰ '۵۲

۶۱ '۶۵ '۷۷ '۸۳ '۸۵ '۹۹

ماہ (مد) :- ۷ '۲۸ '۲۹ '۵۳ '۱۱۶

مہر (سورج) :- ۱۶

(ن)

نماز :- ۲۳ '۵۶ '۷۰

(و)

وطن :- ۵۰

(ی)

یزداں :- ۳۲ '۱۴۰